

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222263

UNIVERSAL
LIBRARY

Text Cut Book Only

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No.

Accession No.

Author

Title

This book should be returned on or before the date last marked below.

لال اکھڑ

نور محمد خان

نور محمد خان

مؤلف

ظفر عمر بی اے (علیگ)
 پتھری، پٹنہ، گڑھ، چوروں کا کلب وغیرہ
 سپرنٹنڈنٹ پولیس صوبہ متحدہ

باہتمام قطب الدین احمد پروڈیوسر

نامی چھپائی لکھنؤ میں چھپا

قیمت ۵

۱۹۲۹ء

جلد ۱

نیلی چھتری اور بہرام کی گرفتاری کے ناظرین بہرام کی زندگی کے صرف ایک
سے واقف ہیں، وہ یہ کہ بہرام بھی حیدر خاں کے لباس میں محکمہ خفیہ پولیس کا انسپر
بنکر اپنی تمام طریقہ کے کارنامے اہل دہلی کے سامنے پیش کرتا ہوا کبھی حقیقت راز
کے بھیس میں دہلی کے شاہی خزانے کو تلاش کر کے اسپر قابض ہو جاتا یا راز
ہمت شاہ جیسے مالداروں کے جواہرات کو اپنی طرف منتقل کر لیتا ہو۔ لیکن سخی
نا انصافی ہوگی اگر ہم اس عجیب و غریب شخصیت کے ساتھ صرف اُس کی تہ
اور چوری کے سلسلہ میں روشناس ہوں۔

بہرام کی پراسرار زندگی میں ایک زمانہ ایسا بھی گذرا ہے جب اُس نے
کی حفاظت اور نفع رسانی کے خیال سے ایسی ہتھیوں کو بے نقاب کیا
پولیس اور حکام کی نظر سے بچکر اور بعض اوقات نالائق اور بے ایمان عمال کی
انگوا سے بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہوتے تھے۔

اس کتاب میں ہم بہرام کو نئے لباس میں پیش کرتے ہیں اور اُمید ہے
ناظرین بہرام کی ابتدائی فردگذاشتوں اور نغز شوں سے ختم پوشی کر کے اُس
تازہ کارناموں کو تحسین اور آفریں کا مستحق دینگے۔

ظفر

لکھنؤ۔ قیصر باغ

۲ مارچ ۱۹۲۹ء

باب اول

خدائی فوجدار

یہ اُس زمانہ کا ذکر ہے جب مہاراج جنگ محلہ بلی ماران دہلی میں اپنے دوست مستعد اور لوک تبار کے ساتھ رہتا تھا۔ مکان دو منزلہ اور مختصر مگر آرام دہ اور زمانہ موجودہ کی تمام ضروریات سے آراستہ تھا۔ پشت پر چھوٹا سا صحن تھا جس میں باورچی خانہ اور ملازمین کے رہنے کے لئے کوٹھمیاں تھیں۔ مگر رات کے وقت کوئی ملازم یہاں نہ رہتا تھا۔ صحن کے ایک جانب پرانے صہیل کو ترمیم کر کے موٹر خانہ بنالیا گیا تھا جس میں دو موٹریں مقفل رہتی تھیں۔ موٹر چلانے والے کوئی ملازم نہ تھا۔ عموماً مستعد چلاتا تھا۔

سوائے حکم صاحب کے جنگی دولت خانہ پر مہاراج جنگ کبھی کبھی شام کی صحبتوں میں شریک ہوتا، اہل محلہ کے ساتھ ان لوگوں کو کوئی سروکار نہ تھا۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ مہاراج جنگ نیپالی شہزادہ ہے جو اپنے ملک کی سیاسی حالت کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا ہے۔ مستعد اور لوگ بھی

متمول اور تعلیم یافتہ آدمی تھے جو دہلی تفریح کی غرض سے آئے تھے انکے ملاقیوں میں بہت کم لوگ تھے۔ وقار حسین انسپکٹر خفیہ پولیس یا ڈاکٹر رحمن کبھی کبھی ملنے آتے تھے۔

کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لوگ بہادر جو عموماً خدمتگاروں کا لباس پہن رہتا تھا زینہ اُتر کر نیچے آیا اور دروازہ کھولا۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی جو لباس اور وضع قطع سے مرہم معلوم ہوتا تھا باہر کھڑا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی دریافت کیا۔ ”کیا کنور صاحب جگہ اسی مکان میں رہتے ہیں اور اس وقت موجود ہیں؟“ ”جی ہاں۔ لیکن جب تک پہلے سے وقت مقرر نہ ہو وہ کسی سے ملنا پسند نہیں کرتے۔“

”لیکن میں بڑی دور سے ان کا نام سُن کر آیا ہوں، مجھے فوراً ان سے ملنے کی ضرورت ہے۔ جاؤ اطلاع کرو۔“

”ملازم پر اس اصرار کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ اجنبی کو غور سے دیکھتا رہا۔“ ”تم بڑے بدتمیز ملازم معلوم ہوتے ہو۔ جا کر اطلاع کیوں نہیں کرتے؟“ ”جیب سے ایک پُرانا اخبار سانچ ورتمان نکالا۔ اور اشتہار کیطرن اشارہ کر کے کہا۔“

”یہ اشتہار تمھارے ہی آقائے دیہے، کیا کنور صاحب ایسے لوگوں کو سُرِ اغراسانی کے معاملات میں مدد نہیں دیتے جو پولیس سے ناامید ہو گئے ہوں یا کسی وجہ سے پولیس سے رجوع نہ کرنا چاہتے ہوں؟ جس معاملہ کی نسبت میں کنور صاحب کی مدد چاہتا ہوں نہایت اہم ہے۔ ان کو میرے وہی

آنے کی خبر ہو گئی تو سب کام خراب ہو جائیگا۔
 ”لیکن آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟“ ملازم نے ہمدردی کے ساتھ دریافت کیا۔

”وہ لوگ بڑے عیار اور ظالم ہیں..... میری طرح تمہیں بھی اُن سے سابقہ پڑتا تو میری پریشانی پر تعجب نہ کرتے“ آئین اور چڑھائی اور بازو پر سیاہ اور نیلگوں نشان دکھا کر کہا۔

”یہ دیکھو۔ پہلے مجھے میرا راز معلوم کرنے کے لئے طرح طرح کی ترغیب دی۔ پھر دھمکایا اور جب میں اُنکے جال میں نہ پھنسا تو سُرخ انگارہ سلاخوں سے مجھے ایذا پہنچائی۔ اُف! کیسے ظالم اور سنگ دل آدمی ہیں! میرا بس چلے تو دل کھول کے بدل لوں“

اجنبی کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا۔
 ”مجھے آپ کے ساتھ بہت ہمدردی ہے لیکن آپ بتائیں تو سہی کہ یہ کون لوگ ہیں“

”بد معاش، ظالم، ڈاکو، لُٹیرے..... ان کا سرغنہ مہابیر شیطان کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔ ایک رحم دل شکاری وہاں نہ آ جاتا تو معلوم نہیں میرا کیا حشر ہوتا۔ اکرم سنگھ نے مجھے ان ظالموں کے پنجہ سے چھوڑایا، در نہ میرا خاتمہ ہی ہو گیا تھا“

لیکن یہ انگریزی راج کا زمانہ ہے۔ ہر جگہ پولیس انتظام کرتی ہے ایسا تشدد آپ کے ساتھ ہوا تھا تو آپ نے پولیس میں اطلاع کیوں نہ کی؟

”تم کیسی باتیں کرتے ہو؟ جہاں میں تھا وہاں پولیس کا کیس پتہ تھا۔ جنگل بیان تھا۔ علاوہ اسکے پولیس کرتی ہی کیا ہے؟ مجھے پولیس کا بڑا تلخ تجربہ ہے۔ اور پھر ایسے نازک معاملہ میں۔ میرا راز پولیس کو معلوم ہو جاتا تو خدایہ میرے ساتھ اس سے بھی زیادہ برا سلوک کیا جاتا اور میں آج کسی جیل خانہ میں پڑا برطانو ہوتا“

”یہ تو کیسے معاملہ کیا ہے؟“

اجنبی نے لوگ جہاد کو مشتبہ نظر سے دیکھا اور کہا ”تمہیں اس سے کیا غرض؟ تم ملازم ہو جاؤ فوراً اپنے مالک سے اطلاع کر دو۔ چاہے رات بھر مجھے یہاں بیٹھنا پڑے“ ملے بغیر نہ جاؤ نکلا“

یہ کہہ کر اجنبی ایک منوٹ سے پر مٹھ گیا اور جیب سے سگریٹ نکالا۔ دوسرے ہاتھ سے دیا سلائی جیب میں ٹٹول رہا تھا کہ ملازم نے فوراً اپنی دیا سلائی چلائی اور اجنبی کا سگریٹ سلگانے کے لئے جھکا۔ لوگ جہاد نے یہ رحمت اجنبی کی خواہ باخاطر داری کے خیال سے نہیں اٹھائی تھی بلکہ یہ اطمینان کرنے کو کہ وہ شرابی تو نہیں ہو۔ سگریٹ سلگانے کے لئے دیا سلائی پیش کرتے وقت اسکی ناک اجنبی کے منہ کے اس قدر قریب تھی کہ اُسے یقین ہو گیا کہ اُسکے منہ سے شراب کی نہیں بلکہ مٹا کو کی بوا آتی ہو۔ پھر اجنبی سے دریافت کیا۔

”آپ کو اس وقت کنور صاحب سے ملاقات کرنے پر ایسا ہی اصرار ہے تو

اپنا نام اور پتہ بتائیے“

”میرا نام بانکے راؤ گو کھلے ہے۔ بہت ضروری کام ہے جس لڑکی کی

مجھے تلاش ہو اُسکا فوراً پتہ چلنا چاہیے۔ ورنہ سب کام خراب ہو جائیگا، تلاش بڑے لاگو ہیں۔ اُسکے سردار کو جو اس شہر میں کہیں رہتا ہے میرے یہاں آنکی خبر ہوگئی تو معلوم نہیں کیا ہوگا۔ اُنٹ! شاگرد ایسے ہیں تو سردار کیسا ہوگا جاؤ جلدی کرو۔“

لوگ بہادر زمینہ چڑھ کر اوپر گیا اور چند لمحوں کے بعد واپس آیا اور اجنبی کو اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ ایک کمرہ کا پٹ کھولا اور اجنبی اندر داخل ہوا۔ یہ کمرہ بہت بڑا تھا۔ دو کھڑکیاں سڑک کے جانب کھلی تھیں جنہیں نفیس پردے سے پڑے ہوئے تھے۔ ایک گوشہ میں بڑی سی میز تھی جسکے قریب فراب جگ کھڑا ہوا سگرٹ پی رہا تھا۔

”حسنو، بانکے راؤ کو کھلے حاضر ہیں“ کہہ کر لوگ بہادر باہر گیا اور دروازہ بند کیا۔ فراب جگ اجنبی کی طرف متوجہ ہوا اور نہایت تپاک سے کہا۔

”آئیے سڑگو کھلے۔ اس کرسی پر بیٹھیے۔ مجھے خدمتگار کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ کسی اہم معاملہ میں مجھ سے مشورہ کرنے آئے ہیں“

سگرٹ کا ڈبہ گونگھلے کے سامنے بڑھایا خود ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ جب تک اجنبی نے سگرٹ سلگایا اسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر دریافت کیا۔

”کیا آپ پونہ سے آئے ہیں؟ میں خود وہاں نہیں گیا۔ لیکن سنتا ہوں کہ بڑا خوبصورت شہر ہے۔ کیسے معاملہ کیا ہے؟“

اجنبی نے قدرے پس و پیش کیا۔

”کیا آپ کنور مرآب جنگ ہیں؟ اور اخبار سانچہ درخان میں یہ اشتہار آپ ہی نے دیا ہو؟ اور کیا آپ ایک نہایت اہم اور نازک معاملہ میں میری مدد کر سکتے ہیں؟“

”معاملہ کی تفصیل بتائے تو کچھ کہہ سکوں۔“
 ”جی نہیں، معاف کیجئے۔ میں اپنے راز کی تفصیل ہرگز نہ بتاؤں گا۔
 بکرم سنگھ جنے میری جان بچائی اُس سے تو میں نے کہا ہی نہیں۔ آپ کو کس طرح بتا سکتا ہوں؟“

اس بات پر جنگ بہادر نے تعجب یا ناراضی کا اظہار نہیں کیا اُسے اپنے کاروبار میں ایسے آدمیوں سے اکثر سابقہ پڑا تھا جو پہلی جی ملاقات میں اپنے راز کی باتیں بیکام بیان نہیں کر دیتے۔ تجربہ نے اُسے یہ بھی بتایا تھا کہ ایسے معاملہ میں راز کے معلوم کرنے پر اصرار کرنا بے سود ہوتا ہے اور لوگوں کو ختمی اور مشکوک بنا دیتا ہے۔

قدرے سکوت کیا اور کب سے دوسرا گھڑ لیکر بیٹے لگا۔ اجنبی نے اپنی کرسی آگے بڑھائی کمرے کی طرف دیکھ کر اطمینان کیا کہ کوئی تیسرا شخص تو وہاں نہیں ہے۔ پھر خجیہ گی سے کہنے لگا۔

”کنور صاحب واقعہ یہ ہے کہ جس معاملہ کی نسبت میں آپ کی مدد چاہتا ہوں ایک راز ہے جو میرا اپنا نہیں ہے۔ اسلئے مجھے اور بھی زیادہ احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے۔“

”معاملہ کوئی قتل یا جہاز سازی کا مقدمہ نہیں ہے بلکہ ایک بڑی دولت کو

تعلق رکھتا ہے۔ بکرم سنگھ نے میرے ساتھ بڑا سلوک کیا اور میری جان بچائی۔ وہ نہ آجاتے تو بد معاش میرا کام تمام کر دیتے۔ لیکن باوجود اسکے اُنے ہی سینے اس راز کا انکشاف نہ کیا۔ اگرچہ اُنھوں نے اسکے معلوم کرنے کی بہت کوشش کی پنجابیوں کے گرد وہ نے خدا اُنھیں غارت کرے مجھے بہت کچھ ایذا پہونچائی۔ گرم سلاخوں سے مجھے داغا مگر اُن کو بھی میں نے نہ بنایا۔ آپ سے صرف اس قدر امداد چاہتا ہوں کہ آپ جس قدر جلد ہو سکے ایک لڑکی کو جس کا نام ہیرا بائی ہو تلاش کر دیں۔ وقت کم ہے، صرف چند روز باقی ہیں۔ اس عرصہ میں یہ لڑکی دستیاب نہ ہوئی تو ایک بڑی دولت یا تو ایسے لوگوں کے قبضہ میں پہونچ جائیگی جنہیں اسکے پانے کا کوئی حق نہیں یا ہمیشہ کے لئے زیر زمین دفن رہے گی۔

مہربان جنگ مُسکرایا۔ کرسی پر کمر لگا کر دو چار بار سگریٹ کا دھواں چھت کی طرف پھینکا۔ پھر ہمدردانہ لہجہ میں دریافت کیا۔

”لیکن یہ بتائے کہ اس لڑکی ہیرا بائی کے ملنے کی کہاں اُمید ہو سکتی ہو صرف نام سے پتہ چلنا آسان نہیں ہو“

”مجھے یہ معلوم ہوتا تو آپ کے پاس کیوں آتا۔ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کہاں رہتی ہے۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ ایک پارسی انجینئر فریدیوں جی کی بیٹی ہے، جو ایک زمانہ میں ریاست بھوپال میں ملازم تھا اور عرصہ ہوا مریا گیا۔ اُس وقت لڑکی کم سن تھی اور کسی رشتہ دار عورت کے ساتھ رہتی تھی جو شمالی ہندوستان میں ڈاکٹری یا معلمی کا کام کرتی ہیں“

”اس لڑکی کی تلاش میں کوشش کی جائیگی“

”آپ کوشش کریں گے تو مل ضرور جائیگی“

”یہ کوئی لازمی بات نہیں ہے“

”میری اطلاع تو یہ ہے کہ آپ چاہیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اور وقت تمام ملک میں آپ ہی ہیں جو میری مدد کر سکتے ہیں۔ کنور صاحب جلدی کیجئے۔ مہلت کم ہے، وہ گروہ بڑا خطرناک ہے“

اس وقت بد معاشوں کا ایک گروہ مہرآب جنگ کے ذہن میں بھی تھا، چنی سے دریافت کیا۔

”اُس گروہ کا کچھ حال تو بتائیے۔ یہاں آجکل مجرموں کے بہت سے گروہ ہیں“

لیکن گو کھلے اپنی کرسی سے کھڑا ہوا۔ چہرہ سے خون اور شبہ کے آثار ظاہر ہوئے اور کہنے لگا۔

”معاف کیجئے، جو کچھ میں نے آپ سے کہا ہو اُسکے سوا میں ہرگز کچھ کہہ نہ سکتا“

یہ کہہ کر اُس نے اپنی کوٹ کے اندونی جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور ایک گڈی نوٹوں کی نکالنا چاہی۔

مہرآب جنگ مسکرایا۔

”اسکی کچھ ضرورت نہیں ہے ہمارا اصول ہے کہ ہم کسی سے کچھ نہیں لیتے یہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ بلوائی ملجائیگی تو آپ سے اسکی تلاش میں جو کچھ صرف ہو اُسکی ادائیگی سینے سے کھینچ لیا جائے“

”لیکن میرے لباس اور مہیت کذائی پر نہ جائیے میں آپ کو منہ مانگا نذرانہ پیش کر سکتا ہوں“

”یہ میں جانتا ہوں لیکن سر دست کچھ نہیں چاہیے“
 کرُسی سے اُٹھا، چلنے کے لئے مُڑا لیکن پھر رُکا اور دریافت کیا۔
 کیا آپ خدائی فوجداروں کو جانتے ہیں؟
 ہر آب جنگ نے مقہمہ لگایا اور دریافت کیا
 ”کون خدائی فوجدار؟“

”میں نے اپنے ملک میں سنا تھا اور کئی بار مرتہی اخباروں میں پھپھایا تھا کہ ان اطراف میں چند خدا کے بندے ہیں جو ایسے مجرموں کو پتہ لگا کر خود سزا بھی دیدیتے ہیں جو قانون کی گرفت میں تو نہیں آتے مگر بڑے بڑے ظلم اور جرم کے مرکب ہوتے ہیں۔ آپ سب کچھ جانتے ہیں۔ یہ لوگ کہاں ملیں گے؟“

”میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں۔ جن بد معاشوں نے مجھے ایذا پہنچائی ہو وہ پولیس کے بس کے نہیں معلوم ہوتے ہیں۔ شاید خدائی فوجدار میرا بدلہ لے سکیں اور ملک کو اُنکے ظلم و ستم سے نجات دلائیں۔“

”جی نہیں سمجھے انہیں معلوم کہ یہ خدائی فوجدار ہیں کہاں۔ اتنا البتہ سنا تھا کہ پولیس اُن سے خوش نہ تھی اور کئی معاملوں میں اُنھیں بھانسا چاہا اِسکے وہ کہیں باہر چلے گئے ہیں“
 ”افسوس۔ میں اُن سے ملتا تو کہتا کہ جن بد معاشوں نے مجھے ستایا ہو

وہ سوائے اُنکے کسی سے خوف نہیں کھاتے“
چلتے وقت مہرآب جنگ نے اپنا سگرٹ کیس گوتکھلے کی طرف بڑھایا
اور کہا۔

”لیکن آپ ایک نہایت ضروری بات بتانا بھول گئے ہیں“
”وہ کیا“

”اپنا پتہ۔ آپ دہلی میں کہاں مقیم ہیں؟“
”میں آج ہی یہاں آیا ہوں اور کشمیری ہوٹل میں اسباب رکھ کر سیدھا
آپ کے پاس چلا آیا“ مہرآب جنگ رخصت کرنے کے لئے زمینہ تک گیا۔
لوگ بہادر نے صدر دروازہ کا پیٹ کھول کر گوتکھلے کو تین دروازوں کی طرح
سلام کیا۔ گوتکھلے نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر لوگ بہادر کی طرف بڑھایا
اُس نے ”اسکی کیا ضرورت تھی“ کہہ کر روپیہ مٹھی میں دبایا اور اب کی بار بہت فزنی
سلام کیا۔ پیٹ بند کر کے اُوپر کے کمرے میں گیا۔ اور مہرآب جنگ اور مسعود کو
بیٹھا دیکھ کر زور سے قسم لگایا۔

”مریٹہ بڑا فیاض آدمی معلوم ہوتا ہے دیکھو، ایک روپیہ مجھے چلتے
وقت انعام دیا ہے“

مسعود نے جو پردہ کے نیچے چھپا ہوا تھا ایک سگرٹ اُٹھایا اور لگا کر
کہنے لگا۔

”میں پردہ کی آڑ سے گوتکھلے کا چہرہ اچھی طرح سے نہ دیکھ سکا مگر آواز سے
اندازہ کرتا ہوں کہ بیچارہ بہت خون زدہ اور پریشان ہے۔ کنوڑ صاحب آپ

کی کیا رائے ہو؟

”یہ صحیح ہے لیکن وہ تقدیر کی فزاج کا آدمی معلوم ہوتا ہے کہ پوری طرح حال نہیں بتایا۔ مستود تم اپنا حال کہو، جس بات کی تلاش میں گئے تھے آپیں کامیابی ہوئی؟“

مستود نے سر کے اشارہ سے اثبات میں جواب دیا
لوگ بہادر جواب تک روپیہ میسر چٹکی سے گھوما کر مسکرا رہا تھا
کنے لگا۔

”مجھے بھی مستود کے ساتھ اتفاق ہے۔ گو کھلے بہت دشت زدہ ہے
یہاں تک کہ بھرا ہوا پستول ہر وقت جیب میں رکھتا ہے۔ قہر اب جنگ تم نے
بھی دیکھا ہوگا؟“

”ہاں پستول کے دستہ کا ایک حصہ جیب میں مجھے بھی نظر آیا“۔ پھر
آہستہ آہستہ کہا۔

”پہلا سوال یہ ہو کہ وہ کونسا گروہ بد معاشوں کا ہے جس سے گو کھلے تقدیر
خوف زدہ ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ہیرا ابی کون ہے اور کہاں مل سکتی ہے؟
تیسرا معصوم یہ ہے کہ بد معاشوں نے گو کھلے کے ساتھ کیوں بدسلوکی کی اور اُسے
گرم سلاخوں سے کیوں داغا“

مستود نے سگریٹ کا کش لیکر دھواں چھت کی طرف پھینکا اور سنجیدگی
سے کہا!

”ان سوالات کا حل میں جانتا ہوں، اسی کے ساتھ ایک سوال میں بھی

کرنا چاہتا ہوں، ہیرا بائی نے آج مرزا بلگرامی کے زمانہ مدرسہ میں تصویر کشی اور موسیقی سکھانے کی نوکری قبول کی ہو۔“

”مرزا بلگرامی کا مدرسہ اور تصویر کشی اور موسیقی! مسلمان لڑکیوں کا مدرسہ اور یہ بدعت۔ مرزا جو ایسا قدامت پسند ہے اور موجودہ زمانہ کی ہر بات کے خلاف تھوڑا اور تقریر سے شب و روز جہاد کرتا ہے، ایسا آزاد خیال کب سے ہو گیا؟ سخت تعجب ہے!“

”یہ قلب ماہیت ابھی حال میں ہوئی ہے۔ تین چار دن ہوئے اُس نے اپنے اخبار میں لڑکیوں کو کشیدہ کاری کی عمدہ تعلیم کی ضرورت پر لمبا مضمون لکھا تھا جس میں کشیدہ کاری سیکھنے پھول پتی بنانا اور مناظر قدرت کی تصویر کھینچنا ضروری ثابت کیا تھا۔ اسکے دو سکر دن وہ اشتہار شایع ہوا۔ جسکی غایت کی تلاش کے لئے تم نے مجھے مامور کیا تھا۔ اُس میں ایک ایسی معلمہ کی ضرورت بتائی تھی جو نقشہ کشی اور موسیقی کی تعلیم دے سکتی ہو۔ تمہیں یاد ہو گا اس اشتہار میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ بار حسن کو ترجیح دی جائیگی۔ یہ سب سوانگ اس لئے کیا گیا کہ ہیرا بائی اُسکے قبضہ میں آ جائے۔ اشتہار کو دیکھ کر ہم سب کی یہ رائے ہوئی تھی کہ یہ اشتہار مرزا کا دیا ہوا ہے اور وہ کسی نئے شعبہ یا جرم کی تیاری کر رہا ہو۔ اشتہار کے جواب میں بہت سی درخواستیں آئیں، صرف ہیرا بائی کی درخواست کا جواب دیا گیا۔ صرف اسی کو معاملات طے کرنے کیلئے بلایا گیا۔ آج وہی ہیرا بائی مرزا کے پاس آئی اور تصویر کشی اور موسیقی سکھانے پر زور رکھ لی گئی۔ سہ پہر کو مرزا اُسے ساتھ لے کر کشمیری دروازہ گیا اور انگریزی کالجز

تصویر کشی کا سامان اور کئی وضع کے باجے خرید لایا۔ اُس نے دیکر یو کے قہر خانہ میں
سہ پہر کو اُسے چار بھی ملائی آج شرب کو ہیرا بانی دریا آباد میں کوٹھی راحت منزل میں
رستم جی کی مہمان رہی۔

”کچھ دیر خاموشی رہی۔ پھر لوگ بہادر نے دریافت کیا۔
”اور تم خود کیا سوال حل طلب پیش کرتے ہو؟“
جنگ بہادر نے سنجیدگی سے کہا۔

”اسکے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں میں خیال کرتا ہوں مسعود کا سوال ہر
کہ کو کھلے کب تک زندہ رہے گا؟“

”بیشک تم نے صحیح سمجھا۔ اب تم مرزا بلگرامی کی ذہنیت اور اُسکے جبرائیم
کی اہمیت کو سمجھنے لگے ہو۔ گو تھکے کی خیر نظر نہیں آتی“

باب

ہیرا بائی

پچھاؤنی میرٹھ کے مغربی گوشہ برصہ کی آبادی سے بہت دور ایک چھوٹی سی دو منزلہ کوکھی میں دو پارسی عورتیں رہتی تھیں۔ ایک سمرنگر تولے کی مضبوط اور تندرست وتوانا۔ دوسری نوجوان جبکی عمر ۲۰ سال سے زائد نہ تھی۔ ہیرا بائی کے باپ فریدوں جی نے یکایک انتقال کیا۔ ماں کا سایہ سر سے بچنے میں جا چکا تھا۔ باپ کی وصیت کے موافق چھو بھی نے ہیرا بائی کو پونہ اور ممبئی کے بہترین مدارس میں تعلیم دلوائی۔ ہیرا بائی کو موسیقی اور مصوری میں خاص دستگاہ تھی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر چھو بھی کے پاس رہنے لگی۔ اسکی چھو بھی شہر بائی نے لٹکی کو بڑی محنت سے پالا اور اسکی تعلیم پر نہ صرف اُسکے باپ کا اندوختہ خرچ کیا بلکہ اپنی آمدنی کا ایک بڑا حصہ منسخر کر دیا۔ ہیرا بائی کو اپنے متونے ماں کی صورت تک یاد نہ تھی چھو بھی ہی کو ماں سمجھا اور آئی کہہ کر پکارتی تھی۔ شہر بائی نے اول مدرسہ میں تعلیم کی پھر اسسٹنٹ انسپکٹر مدرسہ سواں ہو گئی اور اس عہدہ سے پنشن لیکر میرٹھ رہنے لگی۔ پنشن کی آمدنی دونوں عورتوں کے لئے خاموشی سے زندگی بسر کرنے کو کافی تھی لیکن اتنی گنجائش

نہ تھی کہ کوئی سواری رکھی جاتی یا ہیرا بانی کو کسی یونیورسٹی میں بھیجا کر اعلیٰ تعلیم دلوائی جاتی۔
 ہیرا بانی اپنی تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے نہایت غنور اور خود دار لڑکی تھی جو جان
 ہوئی تو اسے اپنی بھوپھی کے ایتار اور محبت کا پورا احساس ہوا اور چاہتی تھی کہ کیسے طرح
 اپنے بار سے بھوپھی کو سبکدوش کرے کئی مرتبہ ملازمت کی تلاش میں مبیہی اور
 حیدر آباد جانے کا تذکرہ بھوپھی سے کیا۔ مگر شیرس بانی نے اپنے سے علیحدہ
 رکھنا پسند نہ کیا۔ لڑکی خوشی مزاج۔ ہنس مکھ اور خوبصورت تھی۔ دن بھر باغیچہ
 پھولوں کی نگہداشت یا تصویر کشی میں صرف کرتی شام کو پیاؤ اور سنا بجاکر
 شیرس بانی کا دل بہلاتی اور اکثر کتابیں پڑھ کر سناتی۔ ایک دن کسی گھنٹہ
 باغیچہ میں کام کر کے گھر میں واپس آئی تو میز پر ڈاک میں اخبار انیس ہندوہلی
 کا پکیٹ ملا کھول کر دیکھا تو سولے ہندو مسلمانوں کے مناقشہ اور لڑائی کے
 کچھ نہ پایا اشتہار کے صفحہ پر نظر ڈالی تو ذیل کے مضمون پر اکر رگ گئی۔

ضرورت ہے

مدرسہ نسواں دہلی کے لئے مصوری، نقشہ کشی اور موسیقی کی معلمہ درکار ہے
 کسی مستند تعلیم گاہ کی سند یافتہ لیدی کو معقول معاوضہ دیا جاوے گا۔ پارسن کو ترجیح
 دی جائیگی۔ شرائط ملازمت ذیل طے ہو سکتے ہیں۔ دہلی سے باہر کی رہنے
 والی کو سفر خرچ دیا جائیگا۔

المشاہدہ
 مرزا بگلرامی۔ بگلرامی بلڈنگ چاندنی چوک دہلی

ہیرا بانی کو ایسی ملازمت کی تلاش تھی۔ دہلی میرٹھ سے تھوڑی دیر کا راستہ ہے۔ شیریں بانی کو بیبی اور حیدر آباد جانے پر اعتراض تھا لیکن دہلی جانے پر کیا ہو سکتا ہے جو شہر میں اگر شیریں کو آواز دی۔

”مائی! یہ دیکھو کیسی اچھی خبر ہے“
شیریں جو ایک طرف کوچ پر بیٹھی ہوئی اُونی گلو بند بنا رہی تھی چونک پڑی۔

”خیر تو ہے کیا کوئی خزانہ مل گیا؟“
”خزانہ سے بھی زیادہ۔ دہلی کے مدرسہ میں ایک معلمہ کی ضرورت ہے۔ سوتیلی اور مصدوری سکھانے کے لئے..... مستند تعلیم گاہ کی سند یافتہ دیکار ہے۔ پونہ کا مدرسہ جہاں سے میں نے تعلیم پائی ہو ہندوستان میں بہترین درگاہ ہے۔ دہلی کچھ دور نہیں ہے۔ میں ہر ہفتہ میرٹھ آ سکتی ہوں۔“
”لیکن بیٹا، میرا دل کیسے لگے گا۔ ہفتہ، مہینوں اور سالوں کے برابر

ہو جائیگا، تمھاری وجہ سے بڑی دلتنگی ہو۔“
”تو مائی آپ بھی دہلی چلی آئیے گا۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گی، میرٹھ میں رہتے رہتے آپ بھی گھبر گئی ہیں۔ یہاں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں۔ دہلی میں کثرت سے تفریح گاہیں، ٹھیٹر اور سینما ہیں۔ بڑا لطف رہیگا اس مکان کو کرایہ پر دینے کے چھوٹا سا مکان نئی دہلی میں شاید مل جائیگا۔“

”بیٹا تم سمجھ ہو، زمانہ کے حال سے واقف نہیں ہو۔ دہلی جیسے شہر میں طرح طرح کے اندیشے ہیں“

”آپ کے ساتھ رہنمائی تو اندیشہ کس بات کا ہے۔ یہاں پڑے پڑے جو کچھ میں نے سیکھا ہے اُسے بھی بھول جاؤنگی۔ آخر آپ نے بھی تو اس عمر میں ملازمت اختیار کی تھی۔ مجھے کیوں منع کرتی ہیں“

”کام کرنا بڑی اچھی بات ہے، اسے میں کب بُرا کہتی ہوں لیکن دہلی دوسرے بڑے شہروں کی طرح مجھے پسند نہیں۔ آئے دن جھگڑے فساد سرکج قربانی گائے پر لڑائی ہو تو کلن پیل کی ڈالیوں پر۔ دنیا بھر کے جرائم پیشہ وہاں جمع ہیں اور پولیس اور فوج کے باوجود جنت نے جرائم ہونے ہیں، طرح طرح کی آفتیں آتی ہیں۔ ساپنوں کی وہ کثرت ہے کہ آئے دن کھلے میدانوں اور بازاروں میں لوگ مرے پائے جاتے ہیں“

”لیکن مائی جرائم پیشہ لوگوں کی سرکوبی کے لئے پولیس اور فوج کافی نہیں ہے تو خدائی فوجدار تو موجود ہیں جو خلق اللہ کی حفاظت کرتے ہیں اور ایسے بد معاشوں کو جھیں پولیس بھی اُنکے کیفر دار کو نہیں پہنچا سکتی۔ خود دہی معقول سزا بھی دیتے ہیں۔ پھر ڈر کس بات کا ہو؟“

”خدائی فوجداروں کا ذکر نہ کرو۔ وہ خود بھرموں سے بدتر ہیں اُنکے ہاتھ پوت میں رنگے مچھے ہیں غضب خدا کا گورنمنٹ بھی ان لوگوں کو سزا نہیں دیتی۔ سنتی ہوں ایک قتل کے معاملہ میں ان لوگوں پر جرم ثابت تھا مگر معافی مل گئی“

”مائی آپ انصاف سے کام نہیں لیتیں۔ اُنھوں نے کسی بیگناہ کو کب مارا یا ستایا ہے۔ جسے آپ قتل کہتی ہیں وہ تو بڑے ثواب کا کام تھا۔ ڈاکو اور دغا بازوں کے سرگرد کہ جو جنت سے دہلی لہور اسکے نواح میں اکھلے بندوں

قفل و غارت کا ترکیب ہوتا تھا۔ انھیں لوگوں نے پکڑا اور رات کے وقت چاندنی چوک میں ایک درخت سے لٹکا کر بھانسنی بھی دیدی۔ عوام پر انھوں نے کتنا بڑا احسان کیا، مجھے یہ لوگ بلجائیں تو بڑی شاہاشی دوں۔

”لیکن سانپ کے کاٹے کا انداز ان لوگوں سے بھی نہ ہو سکا سانپ کا خیال کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔“

شیریں بائی نے سانپوں کے کاٹے کا ذکر اسلئے کیا تھا کہ حال میں شہر میں کئی موتیں ایسی ہوئیں تھیں جن کی وجہ سے خلقت میں یحینی پھیل گئی تھی۔ یہ اموات غریبوں کے محلہ میں نہیں ہوئی تھیں جو بچے مکانات میں آبادی کے کنارے رہتے ہیں بلکہ ان مقامات پر جہاں ہر وقت آمد و رفت ہوتی ہے۔ دہلی منک کا ایک بابو سرشام چاندنی چوک سے لوٹا اور دریاہ کلاں میں جوں ہی اپنے مکان میں جانے کے لئے دروازہ کھولا سانپ نے کاٹ لیا۔ اور مردہ پایا گیا۔ دوسرا آدمی ملکہ کے باغ میں ٹینس کھیل رہا تھا کہ سانپ نے کاٹ لیا۔ باغ میں اس وقت صدمہ آدمی تھے لیکن سانپ کا کہیں پتہ نہ تھا تعجب کی بات یہ تھی کہ سانپ کے کاٹے کا نشان ان لوگوں کے ٹاگوں پر نہ تھا بلکہ گردن اور کنپٹی پر۔

ان واقعات سے دہلی میں عجیب عجیب افواہیں پھیل گئی تھیں۔ مائیں بچوں کو باہر جانے سے منع کرتی تھیں۔ محتاط اور ڈرپوک آدمی سرشام سے دروازہ بند بند کر لیتے تھے۔ دہلی آج سے نہیں ہمیشہ سے افواہوں کا آماج گاہ رہا ہے۔ کسی کی زبان سے کوئی اذکھی بات نکلی اور تیزی کے ساتھ تمام شہر میں پھیل گئی۔

دہلی وہی شہر تو ہے جہاں کے چاندو خانے میں کسی نے نادر شاہ کے مائے

جانے کا ذکر کیا کہ تمام شہر میں چرچا ہو گیا۔ ایرانی سپاہیوں پر حملے ہوئے اور اسکے پاداش میں نادر شاہ نے قتل عام کا حکم دیدیا۔ دہلی کے باشندوں پر جو قہر اور مصیبت نازل ہوئی اُسے کون نہیں جانتا۔ خاندان کے خاندان چنگٹوں میں تلوار کے گھاٹ چڑھ گئے۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔

دہلی کے اخبار بھی اس معاملہ میں اُسکے باشندوں سے کم نہیں۔ کوئی موت کسی سبب سے ہو اُسے سانسپ کے کاٹے پر محمول کرنے لگے۔ جو اخبار کھولئے ایک دو کالم اسکے لئے وقف تھا۔ کوئی ساینوں کے اقسام اور عادات پر مضمون لکھتا کوئی اسکے کاٹے کی دوا اور جھاڑنے پھونکنے کی ضرورت کو سمجھاتا۔

دہلی کا ایک مولوی کسی مرض میں ملا، ایک مہتابھائی اخبار نے اُسے ہندو دھرم کا کرشمہ سمجھا اور ناگ دیوتا کی تعریف میں صفحے کے صفحے لکھ ڈالے۔ شیریں بائی نے ان مضامین کو بڑے غور سے پڑھا تھا اور یقین کامل تھا کہ دہلی میں ہر شخص کی جان خط سے بچے گی۔ لیکن فوجان اور تعلیم یافتہ ہیر آئی کو اسکی مطلق پرواہ نہ تھی اور دہلی جانی کا مسمم ارادہ کر لیا۔

باب

مرزا بلگرامی

مثل مشہور ہے کہ دنیا بنے قوفوں سے کبھی خالی نہیں رہتی۔ اس طرح یہ بھی
 سچ ہے کہ دنیا میں دغا بازوں کی کمی نہیں جو دوسروں کی سادہ لوحی اور اہم
 پرستی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بد قسمتی سے ہندوستان ہی ایسا ملک ہے جہاں
 ہمیشہ سے دونوں قسم کے آدمیوں کی بہتات رہی ہے۔ یوں تو دوسرے ملکوں
 میں بھی ذہین اور ہوشیار آدمیوں نے وقتاً فوقتاً اپنی ذہانت اور خداداد قابلیت
 کا غلط استعمال کر کے بے اندازہ قوت اور اقتدار اور عوام پر قابو پانے میں کامیابی
 حاصل کی ہے۔ ایسے لوگوں کو جانے دو جنھوں نے دغا بازی اور قتل و غارت
 بڑے بڑے ملکوں پر قبضہ کر لیا ہے یا بے اندازہ دولت جمع کر لی ہے۔ لیکن
 خطرناک ایسے لوگ ہوئے ہیں جو مذہبی پیشوا اور مصلح بنکر خلق خدا کو گمراہ کرنے
 میں حسن بن سراج کا نام کئے نہیں سنا۔ اُس نے تمام ایشیائی ملکوں پر اپنی
 ہاک بیٹھا رکھی تھی۔ بڑے بڑے حکمران اور علماء دین شیخ اسماعیل کی ذمہ داری
 ٹھہری کا خیال کر کے لڑتے تھے۔ اس دغا باز شیخ نے سادہ لوح آدمیوں کو اپنے
 دائم تر دیر میں چھانسنے کیلئے دنیا میں ایک بہشت بھی بنا رکھی تھی۔

آپ کہیں گے کہ یہ پُرانی زمانہ کی باتیں ہیں۔ اب علمی روشنی دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور ہمارے باطل کی تائید کی مفقود ہو گئی ہے۔ آزادی ضمیر کا دور دورہ ہو۔ قانونی مساوات اور عمدہ نظم و نسق کا راج ہے جس میں سب جیسے شخصوں کا وجود ناممکنات سے ہے۔

یہ سب کچھ ہے لیکن ہندوستان کی خوبوا بھی تک بدلی نہیں اور یہاں پست اور ملکوں کے دغا بازوں اور جواہریمیشینہ لوگوں کیلئے بہت وسیع میدان ہے۔

آئیے ہم آپ کا تعارف دہلی کی ایک ایسے ذات شریف سے کراتے ہیں جو باوجود قانون اور حکومت کی سخت گیری کے بائیں تخت دہلی میں مٹھا ہوا اپنی دغا بازی اور عیاری کے زور سے سطح خلعت کو مسحور کئے ہوئے ہے۔

عین چاندنی چوک میں درجہ کے متصل ایک عالی شان عمارت میں جی بگرامی بلڈنگ کے نام سے مشہور ہے مرزا بگرامی کا دفتر ہے۔ نیچے کے حصہ میں ایک پریس اور کتب فروشی کی دکان ہے۔ دوسری منزل پر خود مرزا صاحب دن بھر کام کرتے ہیں۔

دوپہر کے وقت ایک تانگہ بگرامی بلڈنگ کے مقابل رکا ایک نوجوان پارسن اُتری، تانگہ والیکو دستی بیگت روپیہ نکال کر کرایہ دیا، عمارت کے نام کا تختہ پڑھا۔ زینہ کے پاس ایک ملازم سے دریافت کیا کہ مرزا صاحب ہیں یا نہیں پھر اپنا ہم کارڈ ملازم کو دیا جو فوراً اوپر لے گیا۔ اُسکی واپسی کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک جوان عمر کے آدمی نے جو سیاہ لمبا کوٹ اور ترکی ٹوپی پہنے تھا کسی قدر گھبراہٹ مگر ادب سے سلام کیا اور دریافت کیا۔

”معاف کیجئے، کیا آپ منسٹر شیشہ والا ہیں اور بیبی سے آئی ہیں میرے مالک نے۔۔۔ سے موٹر لے کر آپ کے لانے کے لئے اسٹیشن بھیجا تھا۔ مجھے راستہ میں ذرا دیر ہو گئی اسٹیشن پہنچا تو گاڑی آچکی تھی اور مسافر باہر جا رہے تھے پلیٹ فارم پر آپ کو نہ پایا تو دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ ایک ٹانگہ پر سوار ہو کر چلی گئیں۔ آپ کو بڑی تکلیف ہوئی میرے آقا مجھ پر خفا ہونگے“

ہیر آبا بی نے شو فر کی گھبراسٹ اور پریشانی کو ہمدردی کی نظر سے دیکھا اور کہا۔

”مختص دھوکہ ہوا۔ اسوقت اسٹیشن سے ضرور آئی ہوں لیکن میرا نام ہیر آبا بی ہے۔“

”تو شاید مجھے ٹھیک نام یاد نہیں رہا۔ آپ بیبی سے آئی ہیں نا؟“

”نہیں، میں ٹھیک صد تہی ہوں اور اسوقت وہاں سے آئی ہوں“

”بائی جی معاف کیجئے میری گستاخی، جن بائی صاحبہ کو لانے کا مجھے حکم ملا تھا وہ کوئی اور ہیں۔ پھر اسٹیشن جا کر تلاش کرتا ہوں شاید ویننگ روم میں ہوں آج بڑی شغلی ہوگی۔“

سلام کر کے دوڑتا ہوا موٹر کی طرف چلا گیا۔

عین اسوقت ملازم اوپر سے آیا اور ہیر آبا بی کو اپنے ساتھ لے گیا۔ دوسرے منزل کے ایک کمرے میں ہیر آبا بی کو بٹھا دیا۔ میز پر چند تصویروں کے اخبار رکھے تھے۔

”آپ ذرا دیر انتظار کیجئے اور اخباروں سے دل بہلایئے مزارعہ جب

کسی ضروری کام میں مصروف ہیں چند منٹ میں آپ کے ملینگے
دروازہ بند کر کے باہر گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور آدمی جو شکل شبابیت نشی
معلوم ہوتا تھا، اندر آیا اور ہیرا بانی کو آئینکا اشارہ کیا۔

انشی نے ڈرتے ڈرتے ایک بڑے کمرہ کا دروازہ کھولا، ہیرا بانی اندر داخل
ہوئی اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کمرے میں دیواروں پر بجائے تصویروں کے
عربی زبان میں بڑے بڑے طغزے آویزاں تھے۔ ایک طرف دو الماریوں میں
کتابیں تھیں۔ بیچ میں تخت پر ایک ممبر آدمی جس کے چاروں طرف اخبار اور سالے
پھیلے ہوئے تھے بڑی سی عینک لگائے کچھ لکھ رہا تھا۔ تخت کے سامنے
چھوٹی سی میز تھی جس کے قریب دو کرسیاں رکھی تھیں۔ آہٹ پا کر مرزا صاحب نے
دروازہ کی طرف نظر اٹھائی۔ عینک اتار کر ہیرا بانی کو غور سے دیکھا۔ ہیرا بانی کے
سلام کا جواب دیا اور کرسی کی جانب ہاتھ سے اشارہ کیا۔ ہیرا بانی بیٹھ گئی اور
اپنا ہیٹ بیگ میز پر رکھ دیا۔ مرزا صاحب نے دریافت کیا۔

”آپ کا نام ہیرا بانی ہی اور آپ سیٹھ سے آئی ہیں؟“

”جی ہاں“

”آپ نے بھی میرے ارشاد کے جواب میں مدرسہ نسواں میں ملازمت کی دست“

”بھئی ہئی“

”جی ہاں“

”لیکن آپ بہت نو عمر ہیں۔ اور بچوں کو موسیقی اور تصویر کشی سکھانے کا کام
بڑے پتہ ماری کا ہو“

”لئے میں جانتی ہوں۔ پونہ کے اسکول میں ایک استانی کی باریبی کے زمانہ میں کئی مہینہ تک کام کر چکی ہوں اور لڑکیوں کے مزاج سے واقف ہوں“

”آپ نے عرضی کے ساتھ اپنے مصویٰ کے جو نمونے دیکھے ہیں وہ نہایت عمدہ ہیں۔ اور میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اس نوعمری میں آپ نے اس قدر مہارت پیدا کی ہے۔ اُمید ہو کہ موسیقی میں بھی آپ کو کافی استعداد ہوگی۔ میں خود اس علم سے ناواقف ہوں کبھی کبھی قوالی اور نصیۃ غزلیں البتہ سن لیتا ہوں۔ اور میری رائے میں ایک سچے مسلمان کے لئے اتنا ہی کافی ہے لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اب لڑکیوں کو بھی اس زمانہ کے ہنر سکھانے کی ضرورت ہے۔ جو مدرسہ میں نے کھول رکھا ہے اُس میں جب تک نئی تعلیم کا سب سامان نہ ہو لوگ لڑکیاں بھیجا پند نہیں کرتے۔ قومی خدمت کرنا ہے تو والدین کی یہ جدت بھی گوارہ کرنا پڑے گی۔ اور میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے اسکول میں نئی تعلیم کا سب سامان مہیا کر دوں۔ سر دست میں دو سو روپیہ ماہوار سے زیادہ تنخواہ نہیں دے سکتا۔ لیکن آپ نے کام اچھا کیا اور اسکول میں لڑکیوں کی تعداد میں اضافہ ہوا تو آپ کی تنخواہ بڑھا دی جائیگی آپ کو یہ تنخواہ منظور ہے؟“

ہیرا بانی کو ایسے معقول معاوضہ کا خیال بھی نہ تھا اور فوراً بولی۔
”مجھے منظور ہے۔ لیکن کام کب شروع کیا جاوے گا؟“

”فورا، آج ہی سے۔“
”لیکن یہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے اپنی بچہ بچی سے مشورہ کرنا اور یہاں

قیام کا بندوبست کرنا ہے۔
 ”مجھے افسوس ہے۔ یہ ممکن نہیں کہی ایک درخت استیں اور بھی آئی ہیں
 اور فوراً فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ کو منظور ہے تو آج ہی سے
 کام شروع کیجئے۔“
 ”لیکن میری پھوپھی بہت پریشان ہو گئی۔ کیا دو دن کی ہلت نہیں
 مل سکتی کہ میں انہیں یہاں لے آؤں؟“

”بہت افسوس ہے۔ دیر کی مطلق گنجائش نہیں۔ آپ تار بھیج کر اپنی پھوپھی
 کو یہاں کیوں نہیں بلا لیتیں۔ رہا آپ کے ٹھہرنے کا عارضی انتظام، دہلی
 میں متعدد ہوٹل ہیں۔ آپ وہاں تنہا ٹھہرنا پسند نہ کریں تو میرے کئی باریسی
 دوست دہلی میں موجود ہیں۔ بہت مفرد آدمی ہیں۔ یہ آسانی سے انتظام
 ہو سکتا ہے۔“

ہیرا بانی کو ایسی عمدہ ملازمت کا کھونا گوارہ نہ تھا۔ اور راضی ہو گئی
 مرزا نے تار کا فارم آگے بڑھایا ہیرا بانی نے ذیل کا پیام تحریر کر دیا۔
 خیریں۔ بانی۔ صدر۔ میرٹھ۔

”ملازمت مل گئی۔ میں آج واپس نہیں آ سکتی۔ شب کو اسٹیشن پر
 دٹینگ روم میں قیام کروں گی۔ صبح کی گاڑی سے آپ دہلی آجائے ٹھہر جائے
 کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

ہیرا بانی
 مرزا صاحب اپنے تخت سے اٹھے۔ برابر کا کمرہ کھولا۔ ایک گوشہ میں

پیانو اور ہارمونیم تھا۔ چند تصویریں دیوار پر آویزاں تھیں ایک طرف آئینہ کی میز تھی۔ سب سامان نئی وضع کا ہیرا بانی کو تعجب ہوا کہ مرزا صاحب ہیں تو پُرلے فیشن کے مذہبی آدمی لیکن سامان بڑے مٹھا ٹھکانہ رکھتے ہیں۔

”ہیرا بانی آپ تھوڑی دیر اس کمرے میں آرام کیجئے۔ پیانو اور ہارمونیم سے دل بہلائیے۔ میں اخبار کے لئے ایک ضروری مضمون لکھ رہا تھا۔ وہ ختم کر لوں تو آپ کو کشمیری دروازہ ضروری سامان تصویر کشی وغیرہ خریدنے کے لئے لے چلوں“

دروازہ بند کر کے مرزا صاحب اپنے تخت پر واپس گئے۔ ہیرا بانی کا تار اٹھا کر پڑھا اور پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ ایک فارم بیکر ذیل کا پیام تحریر کیا۔

”ملازمت مل گئی۔ مبارک ہو آپ پر نشان نہ ہوں دو تین دن بعد واپس آسکو گی“

پھر ٹیلیفون پر مرزا صاحب نے کسی سے باتیں کیں اور مضمون لکھنے میں مشغول ہو گئے۔

باب

رستم جی

دروازہ کھلا اور بغیر اطلاع کے مرزا ابگرامی کے کمرے میں ایک شخص داخل ہوا جو سر سے پیر تک خوش پوشاکی اور تند رستی کا بہترین نمونہ تھا۔ اوسط قد، سرخ و سفید رنگت، گول چہرہ، بڑی بڑی لمبی سیاہ آنکھیں لمبی مونچھیں جو قیصر جرمینی کی وضع پر اوپر چڑھی ہوئی تھیں، کسی بڑی دوکان کے سلعے ہوئے تازہ ترین نمونہ کے انگریزی شپیرے پہنے ہوئے ہاتھوں پر سفید دستانے چڑھے ہوئے اور ٹوپی ہاتھ میں لئے مرزا کی طرف بڑھا اور بڑے تپاک سے کہا۔

”مزاج شریف، مرزا صاحب، آپ کی کامیابی پر مبارکباد دینے آیا ہوں“
 مرزا نے قلم ہاتھ سے رکھا، کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 ”خوب ہو آپ آگئے، گھوڑ دوڑ کے متعلق کیا خبر ہے؟“

رستم جی نے آہستہ آہستہ دستانے اتار کے میز پر ٹوپی کے قریب رکھ دیے اور کرسی پر بیٹھ کر کہنے لگا۔

”مرزا صاحب اپنی کامیابی کے زعم میں آپ کو حق ہے کہ میرے ساتھ مذاق کریں۔“

گھوڑوڑ کا ذکر فضول ہے، وہاں اب رکھا کیا ہے۔ دس بیس ہزار روپیہ کبھی کبھی بچایا کرتے تھے لیکن جبے اصطل کا نیا منجر آیا ہے کسی کو گھوڑوں کے پاس نہیں جانے دیتا اور میری پرانی ترکیب چلنے نہیں پاتی۔

”اسکی چنداں پرواہ نہ کرو۔ ہیر لائی مل گئی ہے۔ چند روز میں نہ تھیں گھوڑوڑ اور تاش بازی کی کامیابی کی ضرورت ہوگی، نہ مجھے قومی اور مذہبی کتابیں اور مضامین لکھنے کی“

”اور تبلیغ و اشاعت مذہب کے گورکھ ہند بے کیا حال ہو؟“
 ”فی الحال اسکی بھی کساد بازاری ہے۔ خدا سمجھے اخبار انیس کے مولوی، کرٹان صفت اڈیٹر کو اُسے ایسا بھانڈا پھوٹا ہے کہ اب وہ چشمہ بھی خشک ہوتا جاتا ہے۔ علاوہ اسکے ہندو مسلمان ایک دوسرے کے خون کے ابلیس پیاسے نہیں رہے جیسے پہلے تھے۔ اور دونوں قومیں ایک دوسرے کے قریب آتی جاتی ہیں۔ باوجود کوشش کے نہ کہیں بلوے ہوتے ہیں۔ نہ مقدمہ بازی، پھر یہ کہ کاغذی گھوڑوڑ کی کامیابی کی کیا امید ہو سکتی ہو“

”لیکن جاسوسی تو کہیں نہیں گئی۔ اُسکا کیا حال ہو؟“

”اسکی بھی اُسی وقت تک قدر تھی جب تک میری اخباری دلچسپی کامیاب تھی۔ پھر میں ملتا ہی کیا ہو۔ وہ تو محض دوسری سرگرمیوں کی پردہ پوشی اور دفعِ فخر کے خیال سے مفید تھی۔ لیکن اب اطمینان اور آرام کا زمانہ قریب ہے اس معاملہ میں کامیابی ہو گئی تو ہم ہندوستان کے بڑے بڑے دولتمند آدمی کا مقابلہ کر سکیں گے“

اس گفتگو سے ناظرین نے اندازہ کیا ہوگا کہ مرزا بگلرامی کے قریب کاجل کتنی دور تک پھیلا ہوا تھا۔ مذہبی اور تعلیمی معاملات میں دھپسی صرف ٹی کی آڑ تھی جس کے پیچھے بیٹھ کر شیخ نصیر شکار کھیلتا تھا۔ اور اس خیال سے کہ حکام وقت کو اسکی مجرمانہ حرکات کی جانب شہد نہ وقتاً فوقتاً اپنے اثر اور ذہانت کو انکی خدمت میں پوشیدہ طور پر صرف کرتا تھا۔ یہ سولے اسکے اپنے آدمیوں کے کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیسوں بلوے اور کشت و خون اطراف ملک میں ان ہی حشر کی بدولت ہوتے ہیں۔ اور مختلف طریقوں سے روپیہ اسکے ذاتی خزانہ میں جمع ہوتا تھا دہلی کے کئی قتل جبکہ آج تک پتہ نہ چلا، ان میں مرزا کے گروں کی شرکت تھی۔ کتنے ساہوکاروں اور کارخانہ داروں کا دوالہ نکل گیا وہ بھی مرزا کی بدولت۔ رستم جی جسکے ساتھ ایسی راز و نیاز کی باتیں ہو رہی تھیں مرزا کا شریک کار اور قوت بازو تھا۔ عام طور پر دہلی میں مشہور تھا کہ بیٹی کا ساہوکار ہے جس نے جنگ کے زمانہ میں فوجی سامان مہیا کر نیکے ٹھیکے لیکر بہت دولت پیدا کی ہے۔ لیکن اصلیت کچھ اور تھی۔ گھوڑ دوڑ کے میدان میں اصطل کے ملازمین یا چابک سواروں سے ملکر جس گھوڑے کو چاہتا آگے بڑھاتا اور جسے چاہتا پیچھے رکھتا، اس طرح لاکھوں روپیہ اسکی جیب میں مہو بخ جاتا اور صدق آدمی تباہ ہوتے تھے۔ بڑے بڑے کلیوں میں جا کر تاش کھیلنا بازیاں ہارتا۔ مگر نوجوان دلیان ملک اور تعلقہ داروں سے دوستی پیدا کر کے انھیں اپنی عالیشان کوٹھی واقع دریا بوم میں بلاتا۔ بڑی تر کلف و عنایت دیتا اور بنے ہوئے تاش کے پتوں کی مدد سے ہزار ہا روپیہ جیت لیتا کتنے رئیس زادے اسکی بدولت

قرض کے پھندے میں گرفتار ہو گئے۔ اور اکثر نے خودکشی کرنی۔ علاوہ عالی شان کو کھٹی باغ اور قیمتی گھوڑوں اور موٹروں کے رستم جی کے سامان عیاری میں کئی نوجوان عورتیں بھی تھیں جو چھٹیروں اور دیگر تفریح کے مقامات کے نوجوان رئیس زادوں کو پھانسی کر رستم جی کے جال میں لے آتی تھیں۔

ظاہر ہے کہ ایسے شاطر اور ہوشمند آدمی کی شرکت مرزا بگلرامی کے لئے بہت کارآمد تھی۔ اہم معاملات میں رستم جی کا مشورہ ضروری تھا۔ ہیرابائی کا قبضہ میں آجانا اس بڑے کام میں جسے مرزا اپنی زندگی کا روشن ترین کارنامہ سمجھتا تھا، اہمیت کے خالی نہ تھا۔ اسوقت حل طلب مسئلہ یہ تھا کہ ہیرابائی کو کہاں رکھا جائے۔

”اور آپ نے ہیرابائی کو کہاں رکھا ہو؟“

”مردست وہرا بکرے میں ہو۔ اس مسئلہ میں تم مشورہ کرنا ضروری تھا“

”میرا اس سے یہاں روشناس ہونا مناسب نہیں ایسا نہ ہو کرے کے

باہر آجائے۔ آئیے کسی اور جگہ باتیں کریں“

”اسکا اندیشہ نہیں ہو کہونکہ میں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا ہو“

رستم جی کے مرزا کو بڑی حقارت اور غصہ سے دیکھا اور کہا۔

”مرزا صاحب باوجود اپنی قابلیت اور ہوشیاری کے آپ نازک موقعوں پر

بڑے گدھے پن سے کام لیتے ہیں، جاؤ فوراً دروازے کا کھٹکا کھول دو۔ اگر

اسکو گمان بھی ہو کہ وہ یہاں قید کرنے کی غرض سے بلائی گئی ہے تو قیامت

ہو جائیگی۔ بنا بنایا کھیل بگڑ جائیگا“

”پھر کیا کیا جائے۔ احتیاط نہ کی جائیگی تو ممکن ہے کہ یہ لڑکی جو ہر لحاظ سے سونے کی چڑیا ہے ہاتھ سے جاتی رہے۔“

”تم کو خدا نے معمولی مجرم بنایا تھا، پیشہ ورنجروں کے بھدے اور بھونڈے ذرائع استعمال کرنے کا خیال تمہارے دماغ سے کبھی نہیں نکلتا ان معاملات میں میں تمہارا شریک کار نہ ہوں تو معلوم نہیں کیا ہو۔ تیسرا بائی اسطرح رکھے جانے کے شے نہیں۔ اُسے موٹر میں بٹھا کر باہر سیر کو لیجاؤ اور ہر طرح کا اطمینان دلاؤ۔ شام کو میں کسی لڑکی کو بھیجوں گا جو اُسے دریا بادی میرے مکان پر لے آئیگی۔ وہاں آرام رہ سکتی ہو۔“

”لیکن اُن بد ذات خدائی فوجداروں کا بھی خیال رہے۔ اس معاملہ میں اُنھوں نے ٹانگ اڑائی تو مشکل ہوگی۔“

”ڈرنے کی کیا بات ہو۔ کل ہمارے سب آدمی جو گوگھلے کی تلاش میں گئے تھے واپس آگئے ہیں۔ اگرچہ اُنھیں گوگھلے کا راز معلوم نہ ہو سکا۔ لیکن گوگھلے دہلی آ گیا ہے کوئی دوسری تدبیر اختیار کی جائیگی۔ کوئی تازہ بات معلوم ہو تو مجھے ٹیلیفون پر اطلاع دینا۔ خدائی فوجداروں کی سرکوبی کیلئے ہمارے پاس کافی آدمی ہیں اچھا خدا حافظیں چلیں ہوں آج گھوڑ دوڑ جانا ہو۔“

باب

رستم جی کی ہمیشہ

مرزا بلگرامی نے مضمون ختم کر کے مطبع میں بھیجا۔ تکمیل کے نیچے سے آئینہ
 نگہا لیکر تخت پر بیٹھے بیٹھے اپنی ڈارھی اور سر کے پریشان بال درست
 کئے لمبی کاکڑوں میں بل ڈالے رُسمرہ لگایا اور ایک ریشمی عبا پہنا ہیرابائی
 کو ساتھ لے کر کشمیری دروازہ گیا۔ ایک انگریزی دوکان سے ہیرابائی کی پسند
 کے موافق نقشہ کشی اور مصوری کا بہت سا سامان خریدا۔ چادر کا دقتت ہو گیا
 تھا۔ سامنے دلیرو کی دوکان میں داخل ہوا۔ اور چادر، کیک اور پھل وغیرہ
 لانے کا حکم دیا۔ یہاں کافی مجمع تھا۔ ہر طرف چھوٹی چھوٹی میزوں کے گرد
 عورتیں اور مرد چادر پینے اور باتیں کرنے میں مشغول تھے۔ دوکان کے ایک
 حصہ میں بینڈ بج رہا تھا ایک گوشہ میں ہیرابائی نے ایک نوجوان کو بیٹھے
 دیکھا جسکی صورت اُس شو فر سے ملتی تھی جو اُسے مرزا بلگرامی کے دفتر کے
 باہر دوپہر کو ملا تھا۔ لیکن اسوقت لباس دوسرا تھا۔ خیال کیا کہ شاید دھوکا ہوا۔
 غریب شو فر ایسی ادب کے درجہ کی دوکان پر چادر پینے کیوں آئیگا۔
 بازار سے واپس آئے کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک نوجوان خوبصورت

عورت اُسکے کمرے میں داخل ہوئی اور بڑے تپاک سے کہا۔

”میرا بانی آپ ہی ہیں؟ میرا نام کلا بانی ہے۔ یہ دیکھو ابھی میرے
تار آیا ہے۔ تمہاری پھوپھی شیریں بانی نے بھیجا ہے۔ ہم لوگ یہاں موجود
ہیں تو آپ کو تنہائی کا اندیشہ نہ ہونا چاہیے“

پھر آج بانی کو اس نوجوان عورت کی وضع و قطع، بے تکلفانہ گفتگو اور تصنع کمزور
لب و لہجہ پر قدرے تعجب ہوا۔ نئی وضع اور مغربی تقلید کی مہر چہیز بہ نظر آتی
تھی۔ سر کے بال کٹے ہوئے مگر دونوں کانوں کے آگے لمبی کاکلیں سیاہ ناگ
کی طرح حنڈار اور پریشان نہ تھیں بلکہ تازہ ترین وضع پر بالوں کے کچھے سرخ
اور چمکدار رخساروں کے نزدیک کالی گٹھا کی طرح جھکے ہوئے تھے۔ گالوں
کی شوخی پودر اور غازہ کی مدد سے دوبالا کی گئی تھی۔ پتلے ہونٹوں پر معمول سے
زیادہ سُرخ مصنوعی رنگ کا پتہ دیتی تھی۔ بڑی بڑی گول آنکھوں سے بچوں جی
معصومیت کا اظہار ہوتا تھا مگر ایک آنکھ کا بات بات پر دبانا اس ظاہری جھبے
بین کا راز افشا کئے دیتا تھا، سُرخ شوخ رنگ کی پھولدار ساری معمول سے

زیادہ اونچی بندھی ہوئی تھی جس سے نصف سے زیادہ موٹی مگر سٹول پنڈلیاں
کھلی ہوئی تھیں، اتنے خانوں تک آستین کی قید سے آزاد تھے۔ گردن اور سینہ
کا بالائی حصہ نئی وضع کے خوشنما چہرے کا وجود دکھلا ہوا، اگرچہ نظر فریب تھا
لیکن میرا بانی جیسی تعلیم و تربیت اور خیالات کی لڑکی کے میاں ناموس اور
ستر پوشی سے گرا ہوا تھا۔

”میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں لیکن میری پھوپھی نے مجھے کبھی ذکر

نہیں کیا کہ وہ آپ کو جانتی ہیں۔“

”مجھے تعجب ہے، شہر میں بائی سے ہمارے قدیم تعلقات ہیں، میں تیسک یہاں نہ تھی مگر وہ میرے بھائی صاحب کو جانتی ہیں، تمہاری تنہائی کا خیال کر کے انہیں بھائی صاحب یاد آئے ہونگے۔ اور انہوں نے یہ مار بچھا ہے۔ میرے ساتھ چلو شام ہوئی جاتی ہے۔ نئی دہلی کی طرف موٹر پر بیٹھ کر چلیں۔ رات کو ہماری کوٹھی ہی رات منزل میں آرام کرنا۔ اُف، یہ کمرہ کیسا تنگ و تاریک ہو میرا تو اتنی دیر میں دل لوٹا جاتا ہو۔“

”کیا آپ کے بھائی صاحب یہاں آپ کے ساتھ آئے ہیں؟“

”بھائی صاحب کاروباری آدمی ہیں، بہت مصروف رہتے ہیں شام کے وقت واپس آئینگے، تم ان سے ملکر بہت خوش ہوگی۔ ایسے ٹھاٹھ کا آدمی تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔“

نا تجربہ کار اور شریف طینت ہیرا بائی کو کیا معلوم تھا کہ یہ نوجوان عورت جو تلی کی ایسی بنی سنوری سامنے کھڑی ہے، کسی زبردست شخصیت کے ہاتھ میں کٹھ چلی کی طرح کام کر رہی ہے۔ اپنا دستی بیگ اٹھا کر ساتھ ہوئی۔ اور بڑے نفیس اور شاندار موٹر کار میں بیٹھ کر نئی دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔

بلگرامی بلڈنگ سے کچھ دور کے فاصلہ پر جو موٹر کھڑا تھا اسکا فوڈلر بنی جگہ بیٹھا ہوا مرزا کے دفتر کے جانب غور سے دیکھ رہا تھا اسلوا کیوں کے روانہ ہونے کے بعد قدرے انتظار کیا پھر تیزی سے اپنا موٹر نئی دہلی کی طرف بڑی موٹر کے پیچھے لے گیا۔

باب گوکھلے کا قتل

گوکھلے کے جانے کے بعد مینوں دوست مسئلہ کی اہمیت پر غور کرنے لگے۔ مسعود نے ایک اور سگڑٹ سلگایا۔ کچھ دیر کمرے میں ٹھہرا اور کہنے لگا۔ ”میری ضرورت سے آپ کو یقین ہوا ہو گا کہ میں بیکار نہیں رہا ہوں۔ مرزا بلگرامی جسکے ظاہر و تقدس اور مذہبیت کی وجہ سے ہم لوگ بھی آج تک دھوکے میں تھے معمولی آدمی نہیں ہے۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا کسی نئے جرم کی ازکباب کی فکر میں ہو گا۔ بظاہر ہیرا بائی کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور آج شب کو رستم جی کی شاندار کوکھٹی راحت منزل میں بسر کریگی۔ لیکن مجھے گوکھلے کی خیر نظر نہیں آتی ہے۔ اور سوال یہ جو کہ اسکی جان کس طرح بچائی جائے“

ہدایہ جنگ نے سنجیدگی سے کہا ”مجھے مطلقاً پسند نہیں ہے کہ ہیرا بائی رستم جی کے پنجہ میں ایسی آسانی سے پھنس جائے۔ اُس کا راحت منزل میں قیام کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔“

لوگ بہادر جواب تک خاموش تھا بولا۔
 ”لیکن اس معصوم لڑکی کو وہاں رہنے کیوں دیا جائے؟“
 مہرآب جنگ ”ٹھیک کہتے ہو۔ میری بھی یہی رائے ہے۔“
 مسعود نے اس سے اتفاق کیا لیکن جوش سے کہا۔
 ”سب سے پہلے گوکھلے کی خبر لینا چاہیے۔ مرزا کے آدمی اسکی ناک
 میں ہونگے۔ بہتر ہوگا کہ اُسے یہاں لے آئیں اور رات کو چارے ساتھ
 رہے۔“

لوگ بہادر کو گھر پر چھوڑا۔ وہ تنہا بیٹھا ہوا ایسے مسائل کی گھٹی اپنے
 دماغی قابلیت سے سلجھایا کرتا تھا۔ اکثر افسران پولیس بھی پیچیدہ مقدمات میں اسکی
 رائے لیا کرتے تھے۔ مسعود اور مہرآب جنگ موٹر میں بیٹھ کر کشمیری ہوٹل
 پہنچے۔ گوکھلے اپنے کمرہ میں نہ تھا۔ کمرو بند تھا لیکن ہوٹل کے ملازم نے
 کہا کہ وہ چارپیکر پارک کی طرف چلے گئے ہیں۔ شام ہو گئی تھی۔ گوکھلے کا
 اتنی دیر تک تنہا باہر رہنا اندیشہ سے خالی نہ تھا۔ مسعود نے تیزی سے موٹر
 چلائی اور پارک کا رخ کیا۔ راستہ میں ڈاکٹر عبدالرحمن سگارا منہ میں دبائے
 پارک کی طرف جاتے ہوئے ملے۔ مہرآب جنگ کے اشارہ کرنے پر مسعود نے
 موٹر کو روکا اور ڈاکٹر سے کہا

”آئیے ڈاکٹر صاحب ہمارے ساتھ چلے ہم بھی پارک میں سیر کرنے
 جا رہے ہیں۔“
 ڈاکٹر نے بڑے تپاک سے کہا

”تم لوگوں کو پارک میں سیر کرنے کی فرصت کہاں۔ سچ کہو کیا معاملہ ہے؟“
 ”ہم لوگ گوتہ کھلے نامی ایک مرہٹہ کی تلاش میں ہیں، چاہتے ہیں کہ
 آج شب کو اسے اپنے ساتھ کھانا کھلائیں۔“
 ”مرہٹہ کی ملاقات سے مجھے کیا ملے گا۔ یہ کہو کہ کئی بات میری کچپی
 کے لائق بھی ہے؟“

”کیوں نہیں، یہ معلوم کرنا چاہتے ہو کہ آلہ کے جنگلوں میں لوگوں کے
 جسم کو گرم لوہے سے کس طرح داغا جاتا ہے تو ہمارے ساتھ چلو۔“
 ڈاکٹر نے تہقہہ لگایا اور موٹر میں بیٹھ کر کہا۔

”لوہے سے داغنے کے نشان طبی محاذ سے چنداں دیکھی نہیں کھتے
 لیکن پتھرا مرہٹہ مہمان نہ ملاؤ مجھے ناخواندہ مہمان سمجھ کر کھانا کھلانا۔ آج کل کچپی
 کا کوئی سامان نہیں۔ شاید تم لوگ اپنے کسی تازہ کارنامہ کے حالات بیان
 کرو اور بتو سانپ نے بھی کاٹنا بند کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کسی سوراخ میں
 گھسکر مر گیا۔“

”ممکن ہے کہ آج کل کینچلی میں ہو، کیا تعجب ہے کہ کینچلی بدل کر بھیر
 کاٹنے لگے۔“

ڈاکٹر جو بڑا خوش مزاج مگر سادہ لوح تھا زور سے ہنسا اور موٹر پارک میں
 داخل ہوئی۔

شام ہو چکی تھی لوگ گھروں کو واپس جا رہے تھے، ٹینس کھیلنے والے
 بھی اپنی گاڑیوں میں سوار ہو رہے تھے۔ چاندنی چوک کے پھاٹک سے

ریلوے ٹیشن تک گھوئے مگر گو کھلے نظر نہ آیا۔ پھر واپس ہوئے ٹرک سے علیحدہ مولسری کے درخت کے نیچے ایک بیچ پر گو کھلے کو بالکل خاموش سپہ پھیلائے بیٹھا دیکھا۔ مستود نے اشارہ کیا۔ موٹر رکی۔ یہاں ایک پولیس کا کنٹبل بھی ٹرک پر کھڑا ہوا بیچ کی طرف تاک رہا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر کو چاچا نا اور کہا۔

”میں بڑی دیر سے اس آدمی کو نظر میں رکھے ہوئے ہوں۔ بہت دیر ہو گئی۔ اسی طرح بے حس بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کوئی گرہ لٹ تو نہ ہو تین چار دن ہوئے پارک کے اس گوشہ میں ایک مار ڈاری سا ہو کار کی جیب سے کسی نے نوٹ نکال لئے تھے“

مہراب جنگ گو کھلے کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچا تو دیکھا کہ اسکی آنکھیں کھلی ہوئی ہاتھ بیچ پر بے حس حرکت پڑے ہوئے۔ سر بیچ کے تکیہ پر رکھا ہوا۔ چہرہ کی رنگت تانبہ کی طرح چمکتی ہوئی۔ نوراً باوا ز بلند کہا۔
”مستود، ڈاکٹر جلد یہاں آؤ“

مستود موٹر سے کود کر آگے بڑھا۔ مہراب جنگ نے گو کھلے کا سر بیچ کے تکیہ سے ہٹایا ہی تھا کہ دھڑ سے گر پڑا۔ ڈاکٹر نے دو زانو ہو کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھا اور آہستہ سے کہا۔
”مر گیا..... بڑے غضب کی بات ہو“

”انگلی سے گردن کی طرف اشارہ کیا جاں ایک سُرخ نشان ابھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔“

ہزار جنگ کے دریافت کرنے پر ڈاکٹر نے کہا:-
 ”سانپ کے کاٹنے کا نشان ہے!“

دلیری اور مبیا کی کی کوئی حد باقی نہ رہی۔ شہر دہلی کے وسط میں
 وکٹوریہ پارک جیسا تفریح کا مقام جہاں ہر وقت آدمیوں کا مجمع رہتا ہے،
 پولیس کنسٹبل کی موجودگی کے باوجود گو کھلے کا اسطرح مارا جانا تعجب سے خالی
 نہ تھا۔ بیچارہ کنسٹبل سخت پریشان تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اُسے سخت سزا ملے گی
 ڈاکٹر سے ستنے لگا۔

”حضور! اس میں میرا کچھ قصور نہیں۔ میں بڑی دیر سے اس آدمی کی نقل
 و حرکت کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر روش پر ٹھنڈا رہا پھر بیچ پر بیٹھ گیا، اور
 آپ نے اس حالت میں پایا۔“

”کیا کسی نے اس سے باتیں کی تھیں؟“
 ”نہیں حضور، کسی نے نہیں، شام کے وقت پارک میں بہت آدمی
 تھے لیکن کوئی اسکے نزدیک نہیں گیا۔“
 مولسری کے درخت نیچے نیچے سے قریب گلاب کی ٹٹی تھی اسکی طرف
 اشارہ کر کے ہزار جنگ نے پوچھا

”تینے کسی آدمی کو اس ٹٹی کے پیچھے تو نہیں دیکھا؟“

”جی نہیں مجھے خیال نہیں، بظاہر کوئی جہاں نہیں آیا۔“

ہزار جنگ نے ٹٹی کے پیچھے جا کر دیکھا تو گھاس کی نمی پر جوتے کے
 نشانات پائے گئے،

”ڈاکٹر صاحب۔ اب ہم لوگ جاتے ہیں، گھر جاتے ہوئے کو توالی میں اطلاع کر دوں گا تاکہ لاش کے ہٹانے کا انتظام کیا جائے۔“
تھوڑی دیر بعد ایک بند گاڑی آئی اور گونگھلے کی لاش کو لے کر اسپتال کی جانب روانہ ہوئے۔

تینوں دوست ملی ماراں میں جمع ہوئے، کچھ دیر خاموش طاری رہی۔ پھر مستور نے لوگ بہادر سے کہا،
”تم جھٹک کہتے تھے، جس سانپ کو لوگ مُردہ تصور کرتے تھے بھی زندہ ہے۔ آج غریب کو کھلے کی باری تھی۔ لیکن یہ تو کہو کہ میں کب تک اس ظالم سانپ کے حملہ سے محفوظ رہوں گا۔“

لوگ بہادر ہنس کر لایا،
”جس طرح شیش کی طرف پانی بہتا ہے اور ضرور بہتا ہے۔ سطح پر یہ بھی یقین ہے کہ آج نہیں تو کل ضرور سانپ تمہاری طرف دوڑے گا۔“
”آخر غریب الوطن کو کھلے کا کیا قصور تھا۔ اسے دہلی آئے چند گھنٹے ہوئے تھے۔“

”یہ تصور کیا کم تھا کہ وہ ہماری امداد اور مشورہ کا طالب ہو اور سانپ کا مالک ہماری مداخلت کو سب سے زیادہ ختمزاد سمجھتا ہے۔“
”اب کچھ شبہ باقی نہیں رہا، ہمارا خیال درست تھا کہ سانپ اکل بچو طریقہ پر نہیں کاٹتا بلکہ اسکا شکار وہی لوگ ہوتے ہیں جو مرزا انگرامی کے سداوہ ہوتے ہیں۔ گو کھلے ہیرا بائی کی تلاش میں تھا، اور امداد کیلئے

ہمارے پاس آیا۔ ہیرا بانی اس وقت مرزا کے قبضہ میں ہے۔ سانپ کا کاٹنا لازمی تھا۔“

”انسوس کو کھلے یہ بھی نہ بتانے پایا تھا کہ اُسکے راز کا ہیرا بانی سے کیا تعلق ہے اور معاملہ کیا ہے۔ موت نے اُسکی زبان بند کر دی، ہم نے امداد کا وعدہ کیا تھا۔ مگر شرم کی بات ہے کہ اسکی حفاظت تک نہ کر سکے راب ہیرا بانی کی خبر لینا چاہیے۔“

کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تھوڑی دیر بعد انسپکٹر وقار حسین خفیف پولیس کا کار گزار انسٹرکٹر میں داخل ہوا اگر سی پر بیٹھ کر بڑی سنجیدگی سے کہا:۔
”کنور صاحب مجھے معلوم ہوا ہے کہ جو وقت گو کھلے پارک میں مردہ پایا گیا آپ وہاں موجود تھے۔ جس سانپ کو خلقت مردہ تصور کر چکی تھی پھر زندہ ہو گیا۔ سر شام پارک جیسے تفریح کے مقام پر جہاں پولیس ہر وقت تعناٹ رہتی ہے ایسا حادثہ ہونا تعجب خیز ہے۔ حکام بالادست کو اندیشہ ہے کہ اس سانپ کا سر جلد نہ کچلا گیا تو بڑی بدنامی ہوگی۔ عوام میں اتنی بے خیالی تھا کہ سچ سچ کا سانپ ہو۔ لیکن آپ اور ہم جانتے ہیں کہ یہ سانپ نئی قسم کا ہو جب کاٹتا ہے جسم کے بالائی حصہ پر۔ جو سیر اس سانپ کو قابو میں کئے ہوئے ہو اُسکا پتہ جلد چلنا ضروری ہے۔ کیا آپ ہماری امداد کریں گے؟“

”بڑی خوشی کے ساتھ“
”مجھے معلوم ہوا ہے کہ کو کھلے آپ کے ملنے آیا تھا۔ کیا باتیں ہوئیں؟“

”بہت متوش نظر آتا تھا اور ہیرا بانی کی تلاش کیلئے ہمے درخواست کی“
 ”ہیرا بانی کون ہو اور کہاں رہتی ہو۔ اور گوگلے کیوں اسکی تلاش میں تھا؟“
 ”ہیرا بانی آج مرزا بلگرامی کے ہاں تصویر کشی کیلئے ملازم رکھی گئی ہے۔
 رات کو سہرا ب جی کے یہاں قیام کر گئی اسکے بابت کچھ نہیں بتایا کہ اسکے
 راز کو ہیرا بانی سے کیا تعلق ہے“
 ”تو میرا خیال غلط نہ تھا۔ مرزا بلگرامی جو اس قدر تقدس اور مذہبیت کا دعو
 کرتا ہے اور سرکاری خیر خواہی میں اتنا پیش پیش رہتا ہو، خطرناک مجرم ہو“
 ”یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ ممکن ہو کہ ہیرا بانی جو محض اسکول کی ترقی کے
 خیال سے ملازم رکھا ہو“
 ”سردست سوال یہ ہو کہ غریب گوگلے سے کسی کو کیا خطر تھا کہ اس
 سرعت کے ساتھ اُسے قتل کیا گیا۔ آپ لوگوں سے اُسے مفصل حال نہیں
 بتایا ممکن ہو کہ اسکے جاہ قیام پر کچھ کاغذات ہوں جن سے کچھ معلوم ہو سکے
 آپ نے میرے ساتھ کشمیری ہوٹل چلئے“

باب

سوئے کا بدھ

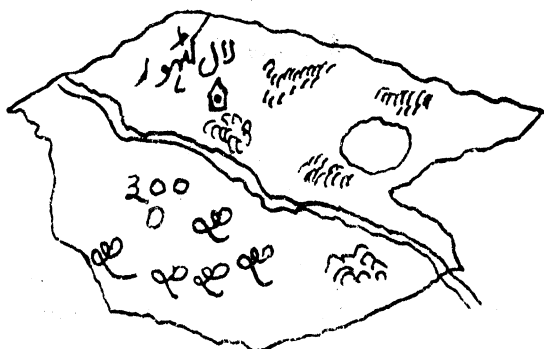
ہوٹل کے دو سہ منزل کا کمرہ جس میں گوٹھ کھلے کا سامان بند تھا۔ کھولا گیا۔ ایک گوشہ میں بستر بند جو ابھی کھولا بھی نہیں تھا ایک ٹرنک پر رکھا ہوا تھا۔ بستر بند میں کوئی چیز قابلِ محاظ نہ پائی گئی۔ پولیس افسر نے جیب چابیاں نکال کر کبس کھولا۔ دو تین جوڑے کپڑے وہ بھی کھد رکے۔ ایک بھڑائی زبان کی جلد کتاب کو غور سے دیکھا گیا۔

یہ کسی شاعر کا دیوان تھا جس کے شروع کے ورق پھٹ گئے تھے جلد کی دفنی کے اندرونی جانب منسل سے دو قطاریں ہند سے لکھے ہوئے تھے۔

۷، ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶ تقریباً ۱۳۔

۱۷ کے گرد شمع منسل سے حلقہ کھیا ہوا تھا۔ ہر آدھ جگ نے ہندوں کو محو سے دیکھا۔ پھر دو تین بار کتاب کے اوراق لوٹے پلٹے معلوم ہوا کہ گوٹھ کھلے اس دیوان کو بہت غزیر کھتا تھا۔ اور بار بار پڑھ چکا تھا۔ اکثر اشعار منسل سے خط کشیدہ تھے۔ بعض جگہ حاشیہ برہم معنی اشعار منسل سے درج تھے۔ کہیں ”شاباش“ کسی جگہ ”خوب کہا“ کہیں ”بشک“۔

لکھا ہوا تھا ایک جگہ نصف صفحہ سادہ تھا۔ اسپر نیل سے ایک نقشہ کھنچا ہوا تھا



یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ کتاب پڑھتے وقت جب نیل ہاتھ میں ہوتی ہے اور انسان کچھ سوچتا ہے اور خیال کہیں اور ہوتا ہے تو اکثر لکیریں بناتا ہے کبھی کسی تصویر کا خاکہ کھینچتا ہے۔ بظاہر یہ بھی اس قسم کی لکیریں ہیں لیکن جس جگہ گول دائرہ کے اوپر مثلث بنا ہوا اُسکے قریب لال کھوڑ دیکھ کر مہربان جنگ چونکا۔ قفا حسین نے دریافت کیا۔

”کنور صاحب! معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو شاعری سے شوق ہے کما کوئی دلچسپ شعر نظر آیا؟“

اس وقت مہربان جنگ کا خیال کہیں اور تھا کچھ جواب نہ دیا۔ وہ لال کھوڑ کے مطلب سمجھنے کی فکر میں تھا۔ اُس نے یہ نام کہیں سنا ضرور ہے۔ لیکن کہاں اور کس سلسلہ میں۔ مہربان جنگ جیسے حافظہ اور دماغ والے آدمی کو زیادہ سوچنے کی ضرورت نہ پڑی۔ ایک مرتبہ آٹو کے عینکلوں میں

شکار کے سلسلہ میں گیا تھا تو وہاں کے باشندوں کو رات کے وقت الاؤ کے گرد

ادبجی ڈور یا لال کھٹور

جسمیں گرڑے چھپین کر رہے

گاتے سنا تھا ممکن ہے کہ گو کھلنے بھی بھوپال کے کسی گاؤں میں یہ سنا ہوگا۔ اور دیران پڑھتے وقت منسل سے بلا کسی خاص خیال کے لکھ رہا ہوگا۔ لیکن یہ کوئی اتفاقی بات نہیں معلوم ہوتی۔ منسل کے نقشہ پر جو دوسرے نشان ہیں ان سے جنگل اور دریا اور پہاڑیوں کا پتہ چلتا ہے۔ انیکٹرولیمین و ق کے سامان کی باضابطہ فہرست بنا رہا تھا۔ کپڑوں کے نیچے کی تہ اٹھا چکا تو کوئی بھاری اور وزنی چیز ایک تیکہ کے غلاف میں لپٹی ہوئی معلوم ہوئی۔ اٹھانا چاہا تو معلوم ہوا کہ تلے کے دوسرا خوں سے مضبوط ستلی اندر اکرا اس چیز کو مضبوط جکڑے ہوئے ہو اور پٹنے نہیں دیتی۔ جیب سے جا تو نکال کر تسلی کاٹی اور احتیاط سے اس بھاری چیز کو اٹھایا۔ غلاف کے اندر کئی تہ لکھتے پڑے کی دھجیاں کسی لیس دا پر چیز سے اسکے گرد لپٹی ہوئی تھیں۔ ان کو ہٹایا تو گوتم پوج کا مجسمہ برآمد ہوا۔ آتش دان کے چھ پر رکھا اور دو تین قدم پیچھے ہٹ کر غور سے دیکھا یہ گوتم بھ کا معمولی بت تھا جو اس قدر عام ہے۔ کسی دھات سے ڈھالا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ نہ آج جنگ نے ہاتھ پراٹھا کر وزن کا اندازہ کیا۔ اسکی جسامت اور وزن پر غور کر کے مشکرا یا اور ہوٹل کے منجر سے جو بطور گواہ تلاشی مکان یہاں موجود تھا کہا۔

”مہربانی کر کے وزن کرنے کے لئے ترازو یا کاٹھ جلدی سے لے آئیے“

”انسپکٹر صاحب کو کھلے کا قتل ہونا اب سمجھ میں آیا، جو شخص اپنے کبس میں دس بارہ ہزار کی مالیت کا سونا لئے گھومتا پھرے وہ کب تک محفوظ رہ سکتا تھا“
”کیا آپ کی رائے میں یہ بت سونے کا ہو؟“

”بیشک۔ اس جہامت پر اتنا وزن اور کس دھات کا ہو سکتا ہے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ مزید ثبوت کی ضرورت ہو تو یہ دیکھیے“
جیب سے چاقو نکالا اور بت کی نشت پر نوک سے چھوٹا سا خراش بنایا
صاف سونا نظر آنے لگا۔

اتنے میں منجر ایک ترازو لے آیا۔ بت ترازو میں رکھا گیا۔ پہلے بائیں سیر
پھر ایک سیر کا باٹ اور رکھا گیا۔ لیکن بت کا پلہ ابھی بچا تھا۔
مہرآب جنگ نے کہا ”ٹھیک ساڑھے چھ سیر ہے“
چھوٹے چھوٹے باٹ اور رکھے گئے تو واقعی ساڑھے چھ سیر نکلا۔ نہ
ایک ماشہ کم نہ زیادہ۔

منجر باہر گیا تو وقار حسین نے پوچھا۔
”کنور صاحب یہ تو کہئے آپ نے اسکے وزن کا صحیح اندازہ کیسے کیا؟“
”ہم سے پہلے گو کھلے اسکا وزن کر چکا ہے۔ اس جلد کے اندر جو آپ
پینسل کے ہندسوں کی قطاریں دیکھتے ہیں ان میں سے ایک کے گرد سرخ پینسل سے
حلقہ کھینچا ہوا ہے یہ ۶ ۱/۲ ہے۔ اسلئے میں سمجھا کہ اس بت کا وزن ساڑھے
چھ سیر ہے۔ ذرا اسپر غور کیجئے کہ ان ہندسوں میں یہ سب سے چھوٹا ہے۔ معلوم
ہوتا ہے کہ گو کھلے کو کیسے ان تلوں کا ذخیرہ پوشیدہ ملا ہے۔ اُس نے انھیں وزن

کیا اور اس کتاب میں لکھ لیا۔ سب سے چھوٹا بُت اپنے ساتھ لے آیا۔
 ”تو یہ کہنے لگا کہ اگھوں روپیہ کا سونا، اچھا خاصہ خزانہ گو کھلے کوں گیا تھا
 لیکن بعض ہندسوں کے آگے لفظ وغیرہ کیوں لکھا ہے؟“
 ”یہ لفظ دُش سے زیادہ ہندسوں کے آگے لکھا گیا ہے۔ مثلاً ۱۳، اور ۱۵
 کے آگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گو کھلے کے پاس وزن کرنے کے لئے جو ترازو تھی
 وہ دس سیر سے زیادہ نہ تھی یا زیادہ قریب قیاس یہ ہے کہ اُس کے پاس بحالت
 سفر وزن کرنے کا کاٹا تھا جیسا برف فروش یا پھیری والے اپنے ساتھ
 رکھتے ہیں اور اس کا نمبر پر دس سیر تک وزن کیا جاسکتا ہے۔“
 انپیکٹر وقار حسین حیرت اور استعجاب سے اس ذہین اور زیرک آدمی کی
 باتیں سُن رہا تھا۔

”انپیکٹر صاحب اس تازہ انکشاف سے ظاہر ہے کہ جہاں آٹا بڑا خزانہ
 ہو وہاں خزانہ کا سانپ ضرور پایا جائے گا۔ افسوس یہ ہے کہ سانپ جسے
 گو کھلے کی جان اس سرعت کے ساتھ لی قصہ کما فی کا مار خزانہ نہیں بلکہ کالے
 ناگ سے بھی زیادہ خطرناک اور زہر افشاں ہے اور پھر غضب یہ ہو کہ خزانہ برسط
 نہیں ہو بلکہ مالک خزانہ ہی کو ڈس گیا۔ افسوس گو کھلے وسط دہلی میں سطح
 قتل ہوا اور پورا حال بھی نہ بتا سکا لیکن اُسکی موت انتقام کی طالب ہو۔ آئیے
 جو زندہ ہیں اُن کی خبر لیں۔“

بیچے اترے تو دفتر کے سامنے لالہ بنا رسی داس دہلی کے متولی ساہوکار کو
 کلرک سے کچھ دریافت کرتے پایا۔ انپیکٹر وقار حسین اور اس کی ساتھی جلدی

میں تھے ہوٹل کے باہر چلے گئے لیکن مہربان جنگ لالہ بنارس داس کو قہر سے پریشان پا کر ٹھہر گیا۔ منجھرنے لالہ صاحب کو دیکھ کر سلام کیا اور پوچھا ”کوئی حدت میرے لئے ہو تبیان فرمائیے“

”کچھ نہیں میں آپ کے ایک مہمان سے ملنے آیا تھا مگر معلوم ہوا کہ وہ کچھ دیر ہوئی انتقال کر گیا“

باب راحت منزل

پتو نہ اور تہنیتی میں میرا بانی نے سودا گروں کی عالیشان اور سر فلک کوٹھیاں دیکھیں تھیں لیکن جو بات راحت منزل کے احاطہ میں داخل ہو کر دیکھی وہ کچھ اور ہی تھی۔ نہایت نفیس باغ، ہر طرف پھول کھلے ہوئے۔ ٹینس کھیلنے کے لئے سبز گھاس کا مخملی لان، جا بجا سفید اٹلی کے بنے ہوئے جسے پوچ کے سامنے سنگ مرمر کا خوبصورت حوض جیسے فوارہ باغ کی دلچسپی کو دوبالا کر رہا تھا۔ مکان کیا اچھا خاصہ محل تھا ہر چیز سلیقہ اور قرینہ کی۔

شام ہو چکی تھی۔ بجلی کئی روشنی ہلکے رنگ کے فانوسوں سے چھن کر آرہی

تمی غلام گردش میں ایرانی قالینوں کا نرم اور دیدہ زیب فرش، غرضیکہ ہر شے راحت اور سکون کی طرف مائل کرتی تھی۔ ملاقات کے کمرے میں جو بہت عمدہ اور قیمتی فرنیچر سے آراستہ تھا قدرے آرام کیا۔ پھر کلا بائی سے پوچھا ”تمہارے بھائی کیا کام کرتے ہیں؟“

”یہی تجارت اور لین دین کا کام“
 ”میں نہیں جانتی تھی کہ لین دین کے کام میں اتنی آمدنی ہوتی ہے کہ ایسا محل اور یہ ساز و سامان بنایا ہو سکے۔ یہ تو بمبئی کے لکھتی سوداگروں کے یہاں بھی مشکل سے ملیگا۔ اور تمہارے بھائی صاحب ہیں کہاں؟“
 ”کیوں باہر گئے ہیں کھانے کے لئے تھوڑی دیر میں آتے ہوں گے۔“
 بھائی صاحب بڑے وضعدار اور شوقین آدمی ہیں، طبیعت کے بہت فیاض جس عورت سے خوش ہوتے ہیں اسے سب کچھ دیتے ہیں۔ دیکھو میزے۔ جڑاؤ دست بند۔ ابھی حال میں مجھے دے ہیں۔ تمہیں اُنھیں راضی رکھنا تو کیا تعجب کوئی قیمتی ہار یا کوئی اور چیز تمہیں بھی مل جائے“

ہیرا بائی نے اپنے دل میں تعجب کیا کہ جو آدمی ایسا متمول ہو اور اسی کے ساتھ اسکا مذاق ایسا صحیح ہو جو اس ساز و سامان سے بخوبی ظاہر ہے، اپنی بہن کو معمولی تعلیم بھی نہ دے سکے یا شرفاء سے گفتگو کرنے کے آداب بتا سکے۔ دست بند اور ہر درجہ کاں کے بندے سب قیمتی، لباس بھی عمدہ لیکن باوجود اسکے وہ سادگی اور سلیقہ جو اس درجہ کی عورت میں ہونا چاہیئے کلا بائی میں اسکی بہت کچھ کمی تھی۔ اُسے کیا معلوم تھا کہ یہ عورت جو رستم جی کو

بھائی صاحب کتنی ہے معمولی بازاری عورت ہے جو اسکے مشاغل میں بڑھتی ہو اور دل بھلاتی ہے۔

بالائی منزل پر ایک نہایت عمدہ کمرہ ہیرا بائی کے لئے مخصوص کیا گیا تھا سب سامان اعلیٰ درجہ کا۔ دن بھر کی تھکی ہوئی تھی۔ کھانے میں ابھی دیر تھی آرام کر سی پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں رستم جی کی موٹر آئی اور کلا بائی نیچے اتری ملاقات کا کمرہ بند کیا گیا۔ رستم جی ایک کے پیچ پر بیٹھ گیا اور کلا بائی سے دریافت کیا۔

”کو ہیرا بائی کا کیا حال ہے۔ اُسے کچھ شک تو نہیں ہوا؟“
 ”ہیرا بائی آگئی ہے تو نو عمر لڑکھوؤں کی طرح سنجیدہ۔ لڑکیوں کی طرح چل پھل کی باتیں نہیں کرتی۔ لیکن یہ تو بتاؤ تم نے اسے یہاں کیوں بلایا ہو؟“
 ”تمہیں اس سے کیا غرض۔ خبردار کوئی ایسی بات نہ کہنا جس سے اُسے شک پیدا ہو۔“

”نہیں ایسا نہ ہوگا لیکن بات کیا ہے؟ یہ ہے کون اور کب کہاں دھبگی؟“

”یہ تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ اب تم جاؤ اور کپڑے بدل لو کھانے کے بعد آئی کر ساتھ لیکر ٹھیکر جاؤ آج تماشہ بہت اچھا ہو۔“
 ”کیا تم نہیں چلو گے؟“

”مجھے کچھ کام ہے۔ آج رات کو کچھ لوگ یہاں آنے والے ہیں، ان کی موجودگی میں ہیرا بائی کا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ آئینیل کو تم جانتی ہو۔ وہ تھیکر میں تمہاری نگہداشت کرے گا خبردار۔ وہ کہے اسکی نہیں کرنا اور اس سے

علحدہ نہ ہونا

”میں بھی بارہ بجے کے قریب وہاں آؤں گا، پھر تم تنہا گھر واپس آنا۔“
 ”اور ہیرا بانی؟“
 ”واپس نہیں آئیگی۔“

”یہ کیوں؟“

”چپ رہو تمہیں اس سے کیا غرض، واپس آ کر اس کے کمرے کو ٹھیک

کرنا اور ہر چیز جس سے کسی کے قیام کو نیکاشہ ہو ٹھکانا دینا۔“

کھانے سے کچھ دیر قبل ہیرا بانی لکلا کے ساتھ نیچے آئی، رستم جی نے بڑے
 تپاک لیکن احترام کے ساتھ استقبال کیا شیریں بانی کا مزاج پوچھا۔ نئی دہلی کی
 عمارات کی بابت اس کی رائے دریافت کی۔ غرض کہ تھوڑی ہی دیر میں ہیرا بانی
 بے تکلفی سے باتیں کرنے لگی۔ تعلیم یافتہ جہاں دیدہ اور دوسروں کو اپنی باتوں
 میں بھانے کا رستم جی کو ملکہ تھا کھانے کے بعد ہیرا بانی نے سے معذرت کی کہ وہ
 خود تھیں نہیں جاسکتا، کچھ ضروری کام ہے۔ لیکن تماشہ اچھا ہے امید ہو کہ
 ہیرا بانی محفوظ ہوگی۔

لوہکیوں کے روانہ ہونیکے بعد رستم جی نے تازہ اخبار دیکھنا شروع کیا۔
 پہلے ہی صفحہ پر گورکھ کی موت، سانپ کا حملہ وغیرہ دیکھ کر، پریشان ہوا اور
 اخبار ہاتھ سے گر گیا اور سوچنے لگا۔

باب ۹

اعلان جنگ

خدا شکر رہے پاؤں کمرے میں آیا ۔
 ”کوئی صاحب آپ کے ملنا چاہتے ہیں“
 رستم جی چونکا اور دریافت کیا ۔
 ”کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں ، ملاقات کا یہ کون و کھنہ؟“
 ”میں نے انھیں پہلے کبھی نہیں دیکھا ۔ اندازے پولیس کا باگڑ
 بلا معلوم ہوتا ہے“
 ”اچھا بلاؤ“

مسعود کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر کے رستم جی کی طرف بڑھا
 نوجوان چہرہ پر بدن ۔ سیاہ کوٹ اور ترکی ٹوپی پہنے تھا آنکھوں سے ذہانت اور
 اسی کے ساتھ قدرے سختی اور نفستہ رنگا اظہار ہوتا تھا ۔ رستم جی نے اسے
 کہیں دیکھا ضرور تھا لیکن کب اور کہاں کچھ یاد نہ تھا ۔ سر سے پاؤں تک نظر ڈالی
 دل کی جھینپی چھپانے کے لئے سگریٹ کے دو ایک کش لئے اور دریافت کیا ۔
 ”آپ کون ہیں اور ایسے ناوقت آنے کی وجہ؟“

”میرا نام مستود ہے اور نا وقت حاضری کی معافی چاہتا ہوں آپ کا زیادہ وقت خراب نہ کر دوں گا۔ صرف یہ دریافت کرنے آیا ہوں کہ ہسپتال کی کہاں ہے“

”آغا! آپ ہیں، خدائی فوجداروں کا نام تو سنا تھا لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ تم جیسے نا تجربہ کار لڑکے ان میں شامل ہیں۔ میاں صاحبزادہ، ہاتھی سے گرنے نہ کھاؤ۔ جاؤ اپنا کام کر دو ورنہ پھٹاؤ گے“

”رستم جی کان کھول کر سنو، اور ہوشیار ہو جاؤ اس لڑکی کو کوئی گزند پہنچا تو تمہاری اور تمہارے گروں کی خیر نہیں بنناؤ، ہسپتال کی کہاں ہو؟“

”یہاں نہیں، دیکھو پوری دیر ہوئی یہاں سے چلی گئی“

”لیکن بہتر ہے کہ تم موقع کی سنجیدگی کا احساس کرو“

”وہ زمانہ گیا جب خدائی فوجداروں سے لوگ خون کھاتے تھے۔“

بہیں معلوم ہے تم کون ہو تمہارا سردار کچھ دن ہوئے قزاقی کرتا تھا۔ معمولی حیثیت کا مجرم ہے۔ خیریت اسی میں ہے کہ تم ہمارے سردار نہ ہو۔ اپنی جوانی پر رحم کرو بہرام کا ساتھ چھوڑو۔ اور علی گڑھ واپس جا کر اپنی تعلیم پوری کرو۔ ذیہانت اور ہمت مجرموں کی صحبت میں خراب نہ کرو۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں دہلی میں ایک ایسا آدمی بھی ہے جو تمہارے خون کا پیاسا ہے۔ ذرا سے اشارہ میں تمہارا کام تمام کر سکتا ہے لیکن فی الحال تمہیں اس کا نام نہ بتاؤں گا؟

”اسکی چنداں ضرورت نہیں مجھے معلوم ہے، مرزا بلگرامی۔ کیا میں نے اس کے عزیز لیکن ہم پیشہ مجرم کو کتنے کی موت نہیں مارا تھا۔ مگر وہ

اسکا متحقی تھا، اسکی موت سے تھیں بستر حاصل کرنا چاہیے۔ جلد بتاؤ کہ ہیرابی کہاں ہے؟
 ”بتاؤ دیا۔ یہاں نہیں ہے۔ تھوڑی دیر ہوئی ایک لڑکی کے ساتھ اپنے گھر واپس گئی۔“

مسعود نے رستم جی کو غور سے دیکھا۔ اس میں اُسے کمال مہارت تھی کہ بشرے اور انداز گفتگو نے معلوم کر لیا تھا کہ بات کا کتنا حصہ صحیح ہے اور کتنا غلط جو۔ اُس نے یقین کر لیا کہ ہیرابی ضرور باہر گئی ہے۔ اور یہاں نہیں ہے۔

”جو عورت اُس کے ساتھ گئی ہے کون ہو؟ کتنا؟ جسے تم موقع کے لحاظ سے کبھی ہمیشہ کہتے ہو کبھی بھابھی؟ سچ بتاؤ کہاں گئی ہو؟“
 ”کہتا ہوں کہ مجھے نہیں معلوم، اپنے گھر گئی ہوگی، جاؤ اپنی راہ لو، مجھے مجبور نہ کرو کہ اس گستاخانہ گفتگو کی پاداش میں میرے خدمتگاروں کی موٹی موٹی انگلیاں ہوں اور تمہارے نازک کان، اور اس سہت کفائی سے باہر نکالے جاؤ۔ ہیرابی کی تلاش ہے اور اُس کے مقید ہونے کا شبہ ہو تو جاؤ پولیس میں اطلاع کرو۔ میرا سر نہ کھاؤ۔“

”اعینان رکھو، پولیس بھی کچھ دور نہیں، انکسٹر وٹا ریسین بھی میرے ساتھ آئے ہیں اور باہر کھڑے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ پولیس کی امداد کی ضرورت پیش نہ آئے۔“

رستم جی کو قد سے تشویش ہوئی، کوچے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس گیا

اور دیکھا کہ باغ میں ملکہ پر کوئی ٹھہل رہا ہے۔

”جاؤ انیکٹر صاحب کو بلاؤ، آخر چاہتے کیا ہیں؟“

مستود باہر گیا اور غلام گردش میں دفاتر حسین سے آہستہ آہستہ چند باتیں کیں اور پھر اسکے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔

رستم جی نے بڑے تپاک سے پولیس افسر کا استقبال کیا۔

”انیکٹر صاحب آپ کو کچھ دریافت کرنا تھا تو خود کیوں نہ چلے آئے

اور ان حضرت کو بھیج کر میرا وقت کیوں خراب کیا“

”سیٹھ صاحب معاف کیجئے، یہ حضرت بطور خود آئے ہیں میرے بھیجے

ہوئے نہیں آئے ہیرا بانی کہاں ہے؟“

”وہ یہاں آئی ضرور تھی کھانا کھا کر گھر چلی گئی، آپ کو یقین نہیں آتا تو

بسم اللہ مکان موجود ہے تلاشی لے لیجئے“

مستود نے کہا

”انیکٹر صاحب، رستم جی بڑے ساکھ کے آدمی ہیں انکی بات کا یقین کرنا

چاہیئے۔ چلیے ہیرا بانی کو کہیں اور تلاش کریں“

چلتے وقت مستود رستم جی کی طرف متوجہ ہوا۔

”سیٹھ صاحب آپ نے سن لیا ہوگا۔ سانپ نے پھر کاٹنا شروع

کر دیا۔ ملکہ کے باغ میں دھڑلہ قتل کیا گیا جس سے باتیں کرنے اور باتوں میں

لٹھا کر اسکا راز معلوم کرنے کے لئے آپ نے اپنی دوسری ہمشیر چمپا کو باغ

میں بھیجا تھا۔ انسوں بیجاری کو اپنی منوں کاری کا موقع بھی نہ ملا اسکے

مٹھ کر طے رنگے ہوئے سی گمر سُنخ گال اور شرمیلی آنکھیں اپنا کام نہ کرنے پائیں کہ گو کھلے کو سانپ نے ڈس لیا، چپکا کا وار خالی گیا۔

”میں تمہاری بکو اس سے کچھ نہیں سمجھا جاؤ اپنی خیر مناد“

ملازم کو اندر بلایا اور سنجیدگی کے ساتھ چند ہدایات دیں غلام گردش کا دروازہ زور سے بند ہوا جس سے معلوم ہوا کہ اُسکے ناخواندہ اور تکلیف دہ مہمان رخصت ہو گئے۔ مگر ملازم کو ہدایات دینے میں وہ ایسا مشغول تھا کہ کھڑکی کے پاس جا کر یہ بھی نہ دیکھا کہ دو آدمی باہر گئے یا ایک۔

رستم جی ملازم کو ہدایات دیکر کچھ دیر ٹھہتا رہا۔ گھڑی پر نظر ڈالی اور کمرہ کے باہر گیا۔ غلام گردش کا دروازہ اندر سے بند کیا اور زینہ چڑھ کر سونے کے کمرہ میں تبدیل لباس کیلئے داخل ہوا۔ پٹنگ کے قریب چھوٹی میز سے ٹیلیفون کا آلہ ہاتھ میں لیا اور مرزا بلگرامی سے باتیں کرنے لگا۔

”مرزا صاحب.... آپ تنہا ہیں.... کوئی آپ کے پاس نہیں ہے....“

..... معاملہ نازک نظر آتا ہے.... گو کھلے کا اس قدر جلد مر جانا میری سمجھ میں

نہیں آتا.... کاش آپ مجھ سے اس کا ذکر کرتے.... یہ صحیح ہے کہ اُس کا

خدائی فوجداروں سے ملنا خطرہ سے خالی نہ تھا.... مگر اُس کی موت نے

انہیں اور بھی تیز کر دیا ہے.... ابھی مستود اور انٹیکٹر قدامتین میرا بیانی کی

تلاش میں یہاں آئے تھے.... مستود نے بڑی گستاخی سے باتیں کیں....

اُسکا جلد خاتمہ ہونا چاہیئے.... آپ اسکا بندوبست کر سکیں تو بہتر ہے....

مناسب ہے.... بہت بہت شکریہ.... بڑی احتیاط کی ضرورت ہے“

ٹیلیفون کا آلہ ہاتھ سے رکھنے بھی نہ پایا تھا کہ کسی نے اُس کی گردن پر ہاتھ رکھا اور پتلی پتلی انگلیاں گردن میں گھسنا شروع ہوئیں۔ جیب کی طرف مبتدل کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مگر آن واحد میں اپنے آپ کو فرش پر پڑا پایا۔ مستعد جیسے سمجھا تھا کہ باہر چلا گیا ہے اور جسکے قتل کے متعلق اپنے دوست سے ٹیلیفون پر اس سرگرمی سے گفتگو کر رہا تھا، اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھا، گردن کی گرفت ڈھیلی کی اور ہنسکر کہا۔

”سیٹھ صاحب، تم جوڑی دیر کے لئے مستعد کی جان کی فکر نہ کیجئے بلکہ اپنی خیر نہائیے“

”یاد رکھو اس گستاخی اور شرارت کا تم سے بدلہ نہ لیا تو میرا نام رستم جی نہیں“
 ”اس گستاخی کا مجھے افسوس ہو لیکن اس کے ذمہ دار آپ خود ہیں
 سید می طرح سے بتا دیتے کہ میرا بانی کہاں ہو تو یہ نوبت کیوں آتی۔ خیر سہا سہی
 میں ہو کہ اب بھی بتا دو“

”مجھے نہیں معلوم میرا بانی کہاں ہو، جاؤ یہاں سے دور ہو“
 مستعد کا چہرہ غصہ سے تھما نے لگا اُس نے جیب سے ایک جوڑی ہتھکڑی نکال کے اُس کے ہاتھ میں بھر دی۔ ”مُنہ میں رو مال ٹھوس دیا، تیری سے کھڑا ہوا
 اور رستم جی کو اُس کے پلنگ پر لٹا دیا جیب سے شلی کا ایک گولہ نکال کے
 ہاتھ پاؤں پلنگ سے باندھ دیئے۔ مُنہ کا کپڑا کسی قدر کھسکا تو پوچھا
 ”تم کیا کرنا چاہتے ہو“

”کچھ زیادہ نہیں، صرف وہی عمل تمہارے ساتھ کرنا چاہتا ہوں جو تمہارے

”گروں نے گو تھکے کاراز درایت کرنے کے لئے اُس غریب کے ساتھ کیا تھا“
جیب سے ایک نفرتی ڈبیز نکالی جو کھٹکا دبانے سے کھل گئی اُس کے
ساتھ ہلکے نیلے رنگ کی پوشیدہ ہوئی۔ مستود نے میز سے ایک چھوٹی چمچی
اٹھائی اور اسکا پھل گرم کرنا شروع کیا۔

”سچ ہے لوہے کو لوہا کا ٹٹا ہے۔ جو لوگ دوسروں کا راز معلوم
کرنے کے لئے لوہے کی گرم سلاخوں سے داغے ہیں انہیں کوئی بات دریافت
کرنے کا آسان طریقہ یہی ہے“

چمچی کا پھل خوب سُرخ ہو گیا تو پلنگ کے پاس آیا، رستم جی کا ہاتھ اوپر
اٹھاتا تھا کہ وہ سر سے پیر تک کا پٹے لگا تمام بدن پر پسینہ آ گیا۔ اور گھبرا کر
بولاً

”خدا کے لئے ایسا نہ کرو۔ ہیرا بانی... کلا کے ساتھ تھپڑ لگائی ہو“
”لیکن میں باہر سڑک پر بہت دیر سے ٹھل رہا تھا اس طرف سے کوئی
نہیں گیا“

”وہ پشت کے دروازہ سے گئی ہو“
”اُس کے یہاں سے بھیجنے کا مطلب؟“
”آج شام کو کچھ لوگ یہاں آنے والے تھے، میں نہیں چاہتا تھا کہ
ہیرا بانی کی موجودگی میں یہ مجمع ہو“
”واپس کس وقت آئے گی؟“
”کبھی نہیں، میں خود بارہن کے تھپڑ جاؤنگا“

”سُننا ہوں کہ تمہارے گرو گئے سب دہلی میں جمع کیے گئے ہیں، کس لئے؟“

”یہ سچ ہے تو میاں صاحبزادہ اپنی خیر سناؤ“

مستعود کو دوسرے لوگوں کے انداز گفتگو اور بشرہ سے یہ معلوم کرنے کی مہارت حاصل تھی کہ بیان سچ ہے یا غلط۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ رستم جی سچ کہہ رہا ہے۔ نیچی کو آتش دان میں پھینکا، سگار جلانے کی ڈبیا بند کر کے جیب میں رکھی اور بیٹھی بجاتا ہوا باہر چلا گیا۔

باب

حسن بن صباح

ناظرین مرزا ابگرامی کو کام کرتے ہوئے چاندنی چوک کے دفتر میں دیکھ چکے ہیں۔ باوجود بُرائے وضع قطع کے، مرزا صاحب اپنے وقت کے پابند، اور دھن کے پکے ہیں انکا معمول ہو کہ چراغ جلے تک دفتر میں کام کرتے ہیں اور شام کو اپنے مکان واقع دریاباد میں چلے جاتے ہیں مرزا صاحب مکان بھی اپنی بہت طبع سے نئی وضع کا بنایا تھا، پُرانے شاہی مکان کو جس میں ایک تہ خانہ بھی تھا مسمار کر کے عجیب وضع کی کوٹھی بنائی گئی تھی۔ جس کا طرز نہ بُرانا تھا نہ نیا چاروں گوشوں پر کوٹھریاں تھیں جن پر بجائے گنبد کے سپاٹ چھت کے قلعہ کی ایسی جہاں بنائی گئی تھیں۔ احاطہ کافی بڑا تھا جو ادبچی دیوار سے محصور کیا گیا تھا۔ بُرائے مکان کے کھنڈر کا ایک حصہ احاطہ کے گوشہ میں موجود تھا۔

یوں تو مرزا صاحب کے مُردیوں میں بہت لوگ تھے لیکن ان میں سے دو ایسے تھے جو ہر وقت مرزا کی خدمت گزاری کرتے تھے۔ یہ امتیاز ان دونوں آدمیوں کو حاصل تھا کہ وہ مرزا صاحب کی کوٹھی کے بالائی حصہ پر دو کوٹھڑیوں

ہیں رہتے تھے۔ باہر کم نکلتے تھے اور لوگوں کا خیال تھا کہ ہر وقت عبادت،
 وظیفہ اور مرزا صاحب کی خدمت کے سوا اور کسی بات سے کچھ سروکار نہیں ہوا
 ان میں سے ایک بنگالی تھا۔ دوسرا سندھی۔ مرزا کو ان کی وفاداری اور کار
 نڈاری پر بڑا بھروسہ تھا۔ گردہی میں دو تین آدمی ایسے بھی تھے جو مرزا کے
 ان دونوں فدائیوں کی رگ دریشہ سے واقف تھے۔ خدائی نو جداروں نے
 مرزا بگلہاری کی دیکھ بھال شروع کی تو اُس کے فدائی اُنکی توجہ سے کب بچ سکتے تھے
 انہیں معلوم ہوا کہ بنگالی حکام نام تو لٹا تھا۔ آسام کے کسی جیل خانہ میں قتل کے لازم
 میں قید تھا اور موقع پا کر بھاگ نکلا۔ توں قانون کے پنجہ سے بچنے کی کوشش
 میں پھیر کے پھیس میں گھومتا رہا اور جب مرزا کو اسکی اصلیت کا پتہ چل گیا تو اُسے
 اپنے غول میں شامل کر لیا، بطرح سندھی جو بندہ کے نام سے پکارا جاتا تھا،
 گراچی اور لاہور کے بڑے بڑے جرائم میں شریک رہا اور پولیس کی گرفت سے
 بچنے کے لئے اُس نے عافیت اس میں دیکھی کہ مرزا کے مریدوں کے زمرہ میں
 شامل ہو جائے اظہار ہے کہ ایسے آدمی جو مرزا کے ذرا سے اشارہ پر تمام عمر
 جیلخانہ میں سڑا کریں، مرزا کے ہر بات کو بلا جھن و چرا مانتے تھے اور اس کے
 اشارہ پر کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دریاباد کے فرار پر کوئی عورت زیارت کوئی
 بندہ وہاں موجود تھا، تنہائی دیکھ کر عورت کو ستانا چاہا۔ عورت نے شور مچایا۔ بندہ
 وہاں سے غائب ہو گیا اور پولیس کی تلاش سے بھی نہ ملا۔

لیکن خدائی نو جداروں میں سے ایک نے اُسے ڈھونڈ نکالا جسکو
 رات کے وقت مرزا کے قریب اُسے ٹھہرایا۔ پکڑ کر ٹھیک اُس جگہ جہاں

اُس نے عورت پر حملہ کرنا چاہا تھا ایک درخت سے بانڈھ کر خوب کوڑے لگائے جس سے اُس کی پشت لہو مان ہو گئی۔ صبح کو پولیس نے اُسے درخت سے کھولا، مگر اس شرعی سزا کے تازیانہ دینے والے کا پتہ نہ چلا۔

مرزا صاحب دفتر سے چراغ جلے مکان ہو چکے، کچھ دیر چل قدمی کی اور تخت پر گھاؤ تکمیل لگا کر دراز ہو گئے، نظام الملک کی کتاب تاریخ بغداد کا مطالعہ کرنے لگے۔ اپنی کامیابی پر مرزا صاحب بہت نازاں تھے۔ کچھ عرصہ سے کاروبار کی کساد بازاری سے جو اکسجھ طبیعت میں رہتی تھی وہ دور ہو گئی تھی۔ ہیلر بانی مل گئی تھی اور اسکے ذریعہ سے جس بے اندازہ دولت کے ملنے کا یقین تھا اُسے مرزا صاحب کو بہت کچھ سرور کر رکھا تھا۔ تاریخ بغداد میں حسن بن ساج کا نام دیکھ کر کتاب کو ہاتھ سے رکھ دیا۔ اور تاریخ کے اس عجیب و غریب آدمی کے حالات زندگی پر تبصرہ کرنے لگے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور دل میں کہنے لگے ”بیشک حسن بن ساج اپنے وقت کا عجیب شخص تھا، جسکے خوف سے مالک کے تاجدار، بڑے بڑے مدبر اور جید عالم، سب کانپتے تھے۔ اُسکے فدائی واقعی بہت بختہ اور وفادار تھے لیکن چھری سے قتل کرنے کا طریقہ بہت بھونڈا اور وحشیانہ تھا۔ آج وہ زندہ ہوتا اور یہ طریقہ طرز عمل کو دیکھتا تو ضرور میرے شاگردوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا۔ اس کاغذ سے مجھے شیخ اکمل پر بڑی فوقیت ہے۔ میرے مقابلہ میں حسن بن ساج طفل دبستان کی حیثیت رکھتا ہے۔ حسن بن ساج نے اپنے فدائیوں پر تسلط حاصل کرنے کے لئے کیا کیا پاکھنڈ پھیلار کھے تھے۔ ایک مصنوعی بہشت بھی بنائی تھی جہاں خوبصورت

اور نوجوان عورتوں کو جوروں کے لباس میں رکھتا تھا اور ان کے عشاق کو اس مصنوعی بہشت میں ان کے نظارہ سے متوحش کرنا اور ان سے ملاقات کے وعدہ پر اپنے فداؤں کے زمرہ میں شامل کرتا تھا۔ لیکن میرے فدائی اور شاگرد کارگزاری کے لحاظ سے شیخ انجیل کے فداؤں سے کسی طرح کم نہیں میرے اشارہ پر کچھ پتلی کی طرح کام کرتے ہیں اور بڑی خوبصورتی سے لوگوں کو اس دنیا، فانی کے علائق سے آزاد کر دیتے ہیں، میں نہوروں کی ملاقات کا سنبرباغ دکھاتا ہوں، نہ ان کی عافیت درست کرنے کا وعدہ کرتا ہوں انسان کا دماغ بھی عجیب چیز ہے۔ میں اپنی دماغی فوقیت کی بدولت آسانی لوگوں کو مسحور کر لیتا ہوں اور جو چاہتا ہوں کام لیتا ہوں۔ کچھ دنوں بعد جب موجودہ زمانہ کی تاریخ لکھی جائے گی تو میرا نام حسن بن صباح کے مقابلہ میں سُنہرے حروف میں لکھا جائیگا۔“

فیلیفون کی گھنٹی بجی۔ مرزا نے اپنے خیالی گھوڑے کی باگ کو یکایک دھکا اور فلیفون کا آلہ ہاتھ میں لے کر رستم جی کی گفتگو سُننے لگا۔ پیشانی پر بل پڑے جبرط سخت ہوا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ معاملہ بخیدہ ہے اور مرزا نے کسی اہم کارروائی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ فلیفون کا آلہ ہاتھ سے رکھا کر سی پر تھیک کر گھنٹی بجائی تھوڑی دیر بعد اسکا سندھی فدائی بندوکر سے میں داخل ہوا سلام کیا اور ادب کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ مرزا کے اشارہ کرنے پر کمرہ کا دروازہ بند کیا۔

”بندو! آج تم بیٹی کے سیٹھ کا بھیس بد لکر سنگم تھیر جاؤ گے“

”سبر و ششم“

”جاؤ اور جلد کپڑے پہن کر یہاں آؤ“

مرزا صاحب پہننے لگے۔ کئی بار ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور اپنے ذہن میں حسن بن صباح کے فدائیوں اور اپنے مریدوں کی کارگزاریوں کا مقابلہ کرنے لگے دروازہ کھلا اور مہبئی کا ایک سیٹھ کمرہ میں داخل ہوا۔ پارسی وضع کی سیاہ ٹوپی بند گلے کا کالا کوٹ، سفید پاجامہ، غرضیکہ ہر چیز سے کاروباری سیٹھ معلوم ہوتا تھا۔ مرزا مسکرایا اور بندہ کو سر سے تریک بنور دیکھا۔

”بندہ تمہارا لباس درست ہو لیکن سامنے چھوٹی جیب میں ریشمی رومال کا زیادہ حقہ باہر کو نکلا ہوا ہے۔ بالدار آدمی اپنے ریشمی رومال کی نمائش سطح نہیں کیا کرتے۔ اسے نکال کر لمبی جیب میں رکھو۔ تمہاری قمیص کے بٹن بہت بستے اور چمکدار ہیں۔ ان کے بجائے سونے کے طبع کے بٹن لگاؤ۔ تمہاری مونچھیں زیادہ لمبی ہیں، آجکل کے فیشن کے مطابق چھوٹی اور ہلکی مونچھیں لگاؤ“

”بہت بہتر“ کہہ کر بندہ پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

لڑکپن میں بندہ تھپڑ کا بہت شوقین تھا۔ مدتوں تھپڑ میں ملازمت کی اور بھیس بدلنے میں کمال پیدا کر چکا تھا۔ تھوڑی دیر میں اپنے پیرو مشد کی ہدایت کے موافق دوسری مونچھیں اور بٹن لگا کر واپس آیا۔ مرزا نے نظر پندیدگی سے بندہ کو دیکھا اور کہا۔

”اب ٹھیک ہو۔ شاباش، تمہارا بھیس بہت اچھا ہے“

بندہ نے جھک کے سلام کیا، مرزا صاحب نے میز کی دروازہ کھولی اور

چند نوٹ نکال لے بندہ کو دیئے۔

”انھیں اپنے پاس رکھو کام آئینگے“

بندہ نے پھر فرشتی سلام کیا

”بندہ باغور سے سنو، آج میں تمھیں ایک اہم کام پر مامور کرتا ہوں کیا تم اُس آدمی سے بدلہ لینا چاہتے ہو جس نے تمھیں ایک رات کو ہزار شریفین میں درخت سے باندھ کر کوڑے مارے تھے؟“

”بے شک! وہ بد ذات مجھے ملے تو کچا کھا جاؤں۔ اُس رات کی تکلیف کبھی نہ بھولوں گا“

”علاوہ اپنا بدلہ لینے کے تم مجھے بہت خوش کر دو گے۔ مستودہ شخص ہے جس نے میرے بھائی کو پستول کا نشانہ بنایا اور مجھے اس تاریک دنیا میں ہمیشہ کے لئے تنہا چھوڑ دیا۔ مستودہ کا پیاناہ حیات لبریز ہو چکا ہے، اور آج تمھاری ہاتھ سے اس کا کام تمام ہونا ضروری ہے۔ وہ تمھاری گذشتہ زندگی سے واقف ہو گیا ہے اور جس دن چاہے گا تمھیں گرفتار کرادے گا۔ تم قتل کے مجرم اشتہاری ہو، اسے خوب یاد رکھو۔ سولی پر لٹکنا نہیں چاہتے تو آج اپنی کارگذاری اسے مجھے خوش کر دو“

”لیکن حضور میں تو عرصہ ہوا قتل کرنے سے توبہ کر چکا ہوں اور حضور کی خدمت میں پڑا ہوا اپنا وقت عبادت میں گزار رہا ہوں“

”تم بڑے نا سمجھ ہو، یہ قتل کب ہوا کیا تم نے نہیں پڑھا کہ خدا بڑا انتقام لینے والا ہے۔ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا، اُس سے انتقام لینا ضروری تھا

خدا نے موسیٰ کے ہاتھ سے انتقام لیا اور اُسے غرق کر دیا۔ غرود کو بھی خدا نے اسی طرح اُسکے غرود کی سزا دی۔ ان شالوں سے ثابت ہوا کہ انتقام لینا نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے، میں معاملات کی مذہبی پہلو سے بخوبی واقف ہوں، اگر کوئی بات خلاف مذہب ہوتی تو مجھ جیسا خدا پرست اور متقی آدمی کبھی تم سے نہ کہتا۔ مستعد نے تجھیں کوڑے لگائے، اُس نے میرے معصوم بھائی کو ناحق قتل کیا۔ یہی حالت میں انتقام لینا بالکل درست اور سراسر جائز ہے، علاوہ اس کے اپنے بھائی کو خوش کرنا اور اس کے حکم کی تعمیل کرنا عین عبادت ہے، میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کروں گا، تم اس خطرناک آدمی کو اپنے اور نیز سب کے راستے سے ہٹا دو گے۔“

بندو پر اس تقریر کا بہت اثر ہوا۔ اور جوش میں آکر بولا
 ”یا حضرت! میں آپ کو اپنا پیر و مرشد بنا چکا ہوں۔ مرشد کے حکم کی تعمیل کرنا واجب ہے۔ انتقام کا مسئلہ میری سمجھ میں آگیا، فرمائیے کیا حکم ہے۔“
 مرزا صاحب نے عبا کی لمبی جیب سے ایک خوبصورت سگرٹ کنیکٹ لایا
 آہستہ سے اُسے کھول کر دیکھا۔ اُس میں چار سگرٹ اور ایک سگرٹ پیٹینے کی کھنال خاص وضع کی موجود پائی۔ سگرٹ کھینچ کر دیکھا اور تبتہ و کی طرف بڑھایا۔“

”یہ لو، اور جیب میں حفاظت سے رکھو، سنگم تھپیر جاؤ۔ وہاں تمہیں رستم جی کی چوکر کی کھلا بانی کے ساتھ ایک پارسی لڑکی ملے گی، تم گجراتی زبان جانتے ہو، کھلا بانی تمہیں اس لڑکی سے ملا دیگی اُس سے باتیں کرو اور

بروقت اُس کے ساتھ رہو۔ مستود بھی اُس کی تلاش میں وہاں آئیے گا۔ موقع
پاکر اپنا دار کر دو۔“

”اور ہمیں آباؤی کی نسبت کیا حکم ہے؟“
”تم صرف مستود پر تعینات کیے کھاتے ہو۔ وہاں ہمارے دوسرے دست
آس پاس ہوں گے اور میری ہدایت کے بموجب کام کریں گے۔“
بندہ نے سلام کیا اور رخصت ہوا۔

باب

جب اندھیرا ہو گیا

انقلاب زمانہ سے دہلی میں طرح طرح کی تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں یہاں تک کہ لوگوں کی نفریح کے سامان بھی اب وہ نہیں جو میں بچپن برس پہلے تھیں، قصہ سرو و کی محفلیں جن سے چاؤڑی کی بالاخانہ نشین یوں کی گرم بازاری ہر محلہ میں رہتی تھی، عرصہ سے موقوف ہو چکی ہیں۔ نہ کیس مشاعرہ ہوتا ہے جہاں شرد سخن کا دھچپ مشغلہ شہر کے نازک خیال باشندوں کو مشغول رکھتا تھا۔ قصہ گو جو دہلی کے امرا کو اپنی سحر بانی سے رات بھر سونے نہ دیتے تھے، مدت ہوئی ختم ہو چکے۔ اب تفریح کے نئے سامان پیدا ہوئے ہیں، جگہ جگہ سینما یا متحرک تصویروں کے تھیٹر قائم ہوئے ہیں جن میں زیادہ تر یورپ اور امریکہ کی ادنی درجہ کی زندگی کے حالات کی نمائش کی جاتی ہے۔ عوام الناس کا کثیر مجمع سینما میں دیکھ کر دہلی کے وضع دار لوگ جواب بھی خال خال باتی ہیں۔ موجودہ زمانہ کی بد مذاقی پر افسوس کرتے ہیں۔ ان کے بعد معمولی تھیٹر ہیں جہاں عام طور پر یورپ کے ڈراما کی نقالی کی جاتی ہے، لیکن کبھی کبھی سبق آموز اور اخلاقی تماشے بھی کیے جاتے ہیں۔ سنگم تھیٹر دہلی کا بہترین تفریح گاہ ہے۔ اپنی جدید عمارت اور ساز و سامان کے لحاظ سے بھی اور کلکتہ کے تھیٹروں سے کسی طرح کم نہیں، صدر دروازہ چاندنی چوک کے

وسط میں ہر پشت کی جانب اصل عمارت سے ملا ہوا وسیع صحن ہے جس میں جا بجا خوشبودوں کے گلے رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی آڑ میں ہر طرف چار اور تھوہ پینے کے لئے چھوٹی میزیں رکھیں ہیں جن کے گرد آرام دہ کرسیاں اور موندھے پڑے ہوئے ہیں۔ تماشہ کے درختوں کے درمیان درجہ خاص کے تماشائی یہاں آ بیٹھے ہیں۔ اس صحن کے دوسری طرف ایک دہلیز ہے جس کا دروازہ گلی کی طرف کھلتا ہے مگر عام طور پر بند رہتا ہے۔

جس وقت مکملابائی اور ہیرابائی تھیٹر ہوئیں تماشہ شروع ہو چکا تھا اور صدر دروازہ پر زیادہ مجمع نہیں تھا۔ تماشائی، اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے تھے، لیکن چند لوگ اپنے دوستوں کے انتظار میں یا سگرٹ اور چرٹ پینے کے لئے کھڑے ہوئے تھے، ان میں دو آدمی لڑکیوں کو آتے دیکھ کر آگے بڑھے ایک بمبئی کا بیٹھ تھا دوسرا پنجابی معلوم ہوتا تھا۔ مکملابائی نے بڑے تپاک سے ان کے سلام کا جواب دیا اور ہیرابائی سے تعارف کرایا۔

”ہیرابائی“ میں آپ کو بیٹھ پالٹن جی سے ملاتی ہوں۔ آپ بمبئی کے بڑے سا ہوکار ہیں، جواہرات کی تجارت بڑے پیمانہ پر کرتے ہیں، یہ مشہور ہے کہ آپ کے یہاں ملک بھر کے بہترین موتی موجود ہیں“

بیٹھ جی نے مسکرا کے کہا

”بائی جی میسرے موتیوں کی نسبت آپ جو چاہے کہیں، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس وقت بہترین ہیرا آپ کے پاس ہو“

یہ ہیرابائی کی طرف اشارہ تھا جسے سکر ہیرابائی جو ایسی بے باک نہ

باتیں سننے کی عادی نہ تھی، چھپکلی، اور دوسری طرف دیکھنے لگی کملابائی نے
 قہقہہ لگایا اور ہیرابائی کو آگے بڑھا کے بولی،
 ”کیوں نہ ہو جواہرات کی قدر آپ جیسے جوہری خوب کر سکتے ہیں۔
 آئیے اندر چلیں۔“

پالنہ جی اور ہیرابائی کو آگے بڑھا کے کملابائی نے اپنی رفتار سست
 کی اور جب کچھ فاصلہ ہو گیا تو پالنہ جی کے دوسرے ساتھی اسماعیل سے جو رستم جی
 کے غول کا سرگرم مہر تھا، آہستہ سے بد چھا۔
 اسماعیل سچ بتاؤ۔ کیا معاملہ ہے، ابھی تک تو ہمارے جال میں مروہ چھٹا
 جاتے تھے لیکن ہیرابائی کو کس لئے یہاں بلایا گیا ہے؟
 اسماعیل نے کملابائی کا ہاتھ دبا یا اور کہا

”مجھے زیادہ نہیں معلوم صرف اتنا جانتا ہوں کہ ہمارے غول کے سب
 آدمی بیکار ہیں، سب آس پاس ہونگے یا آتے ہونگے
 بڑی احتیاط کی ضرورت ہے؟“

”بند ذبیحے شہدے کو بیٹھ پالنہ جی کے بھیس میں کیوں بھیجا گیا ہے؟ ایسا
 نہو کہ ہیرابائی کو کوئی نقصان پہونچے۔“
 ”چپ رہو، تمہیں اس سے کیا مطلب، اپنے سردار کا حکم ماننا
 ضروری ہے؟“

درجہ خاص میں ایک آرام دہ کوچ پہلے سے مخصوص تھی دونوں آدمی
 اور لڑکیاں تماشہ دیکھنے گئے، تماشائیوں کی کثرت تھی۔ پہلا ایکٹ ختم ہوا پر وہ

گرتے ہی کلا بانی نے کہا

”اُت! اس قدر گرمی ہے۔ چلو باہر چلیں“

دونوں لڑکیوں نے صحن کی طرف رخ کیا۔ پالن جی ساتھ گئے۔ ایک بڑے گملے کی آڑ میں دہلیز کے قریب جہاں پشت کا دروازہ تھا۔ پالن جی نے ایک میز بند کی اور اُسکے گرد بیٹھ گئے خدمتگار کو اشارہ سے بلایا اور بالائی کی برت لانے کی فرمائش کی، خدمتگار ابھی آنے نہ پایا تھا کہ کلا بانی نے کہا۔

”میں اپنا دھڑی بیگ کوچ پر بھول آئی ہوں۔ معاف کیجئے، ابھی

آتی ہوں“

تھیں کھٹڑ دوڑتی ہوئی گئی۔

ہیرا بانی پالن جی کے ساتھ اپنے آپ کو تنہا پا کے کسی قدر گھبرائی لیکن خدمتگار برت کی پٹیں لے کر آگیا اور میز پر سامنے رکھ دیں۔ خدمتگار کسی اور طرف بڑھا۔ پالن جی تماشہ کے متعلق باتیں کرنے لگے۔ ابھی ہیرا بانی نے برت کی لمپٹ اپنے ہاتھ میں نہیں لی تھی۔ غالباً کلا بانی کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس کی آنکھیں تھیں کھٹڑ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ پالن جی نے اپنی واسکٹ کے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جیب کی میں کوئی سفید سفوف لے کر برت کی لمپٹ پر چھڑک دیا۔

”آپ کی برت گھل جاتی ہے، لیجئے کھائیے، میں ابھی کلا بانی کو بلائے لاتا ہوں“

یہ کہہ کر وہ لمبیٹ جس میں سفوف ڈال چکا تھا لڑکی کی طرف بڑھائی۔
 ہیرا بانی نے شکر یہ ادا کیا اور چیمپ سے برف کھانے لگی۔ دو تین چیمپ برف
 کھائی تھی کہ منہ بنا کر لمبیٹ رکھ دی۔
 ”بڑی بد مزہ اور کس قدر کڑی ہو“

”شاید خوشبو کی آمیزش سے مزہ بدل گیا ہے۔ وہ لمبیٹ پسند نہ ہو تو لیجئے
 یہ موجود ہے، یہ شربت کی نفلی ہو یا کیسے تو لینیڈ منگادوں۔“

ہیرا بانی نے گردن کے اشارہ سے انکار کیا۔ ایک ہاتھ پیشانی پر رکھا
 جو پسینہ سے تر تھی اور دوسری شہکایت کی۔ خدمتگار لمبیٹیں اٹھانے آگے
 بڑھا، پالٹن جی نے دس روپیہ کا نوٹ اس کے حوالہ کیا اور کہا کہ جلد بل لے آؤ
 جب سے سونے کا سگرٹ کیس جو مرزا بلگرامی نے چلتے وقت دیا تھا نکالا
 دہنے بائیں نظر ڈال کر سگرٹ کیس کھولا، سیاہ منال میں ایک سگرٹ احتیاطاً
 رکھا مگر سگرٹ ساگیا نہیں، البتہ منال کو احتیاط کے ساتھ ہونٹوں میں دبایا۔
 خدمتگار بل اور خوردہ لے کر آیا لیکن خوردہ دینے بھی نہ پایا تھا۔ کہ

ہیرا بانی پر غشی کا عالم طاری ہونے لگا۔ پالٹن جی نے کمر میں ہاتھ ڈال کر کھڑا کیا
 خدمتگار سے کہا دروازہ کھولے بانی جی کی طبیعت اچھی نہیں اور پشت کے
 دروازہ کی طرف جو گلی کی طرف کھلتا تھا لے چلا۔ خدمتگار نے دروازہ کھولا۔
 دوسری طرف ایک نوجوان کو کھڑا پایا۔ پالٹن جی کی نظر مستود پر پڑی تو اس کی
 آنکھیں غصہ اور نفرت سے چمکنے لگیں۔ انتقام کا اس سے اچھا موقع اور کیا
 ہو سکتا ہے۔ اُس نے سگرٹ کی منال کو دانٹوں سے دبایا۔ ناک سے سانس لے لیکر

اپنے گلے پھولاے اور وار کیا۔ لیکن عین اس وقت بجلی کی روشنی یکایک گل ہو گئی۔ بالکن جی نے آن واحد میں اپنے آپ کو زمین پر پڑا پایا روشنی کے غائب ہو جانے سے تمام ٹھیسٹر اور صحن میں ہلچل مچ گئی۔ ٹھیسٹر کا منبر اور چند ملازم اور انزان پولیس دوڑے ہوئے اسطرت آئے۔ ایک آدمی نے سوچ بورد جہاں سے بجلی کی روشنی کا سلسلہ شروع ہوتا تھا ٹھولا اور دستہ کپڑا کھینچا۔ روشنی پھر ہو گئی بینڈ زور سے بجنے لگا۔ لیکن اتنی دیر میں وہاں نہ ہیرا بائی کا پتہ تھا نہ مسعود اور بالکن جی کا۔

تماشائی جو بالکن جی کے منبر کے قریب بیٹھے تھے اور جنہوں نے ہیرا بائی کو اسکے ساتھ دروازہ کی طرف جانے دیکھا تھا سخت تعجب میں تھے۔ انہوں نے دھماکے اور کسی کے گرنے کی آواز ضرور سنی تھی مگر یہ نہ بتا سکے کہ لڑکی کہاں غائب ہو گئی۔ وقار حسین اور اسکے دو ماتحت انسرجہ تبدیل لباس میں موجود تھے اور بندہ کی گرفتاری کی فکر میں تھے، خدشہ گار سے پوچھنے لگے اُس نے سب واقعہ بیان کیا اور اسی کے ساتھ اُس نوجوان آدمی کا حلیہ بیان کیا جو دروازہ کے نیچے کھڑا ہوا تھا۔ وقار حسین نے سمجھا کہ یہ مسعود تھا۔ پشت کی دھلیز میں داخل ہونے تو دروازہ کھلایا اور اسکی سمجھ میں آیا کہ ہیرا بائی اسی راستہ سے غائب ہوئی ہے۔ پہرہ کے کنسٹیبل سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ روشنی گل ہونے سے پہلے ایک موٹر دروازہ کے مقابل آکر ٹھہری، لیکن جس وقت برقی روشنی غائب ہوئی تو اندھیرا ہو گیا اور موٹر تیزی کے ساتھ چاندنی چوک کی طرف چلی گئی۔

باب

میں کہاں مومن

انس بکٹر وقار حسین نے ایک ماتحت انسر کو جلد جلد احکام دئے۔
 ”اپنے سب آدمی تھپڑ کے گرد و پیش سے ہٹالو۔ اگر میرا قیاس صحیح ہو
 کہ وہ پلیر میں جو آدمی چھپا ہوا تھا وہ ستودہ تھا تو بہر ابا کی بالکل محفوظ ہے۔ بندہ کا
 فرار ہو جانا البتہ قابل انصوس ہو“

ایک اردنی کو ساتھ لے کر وقار حسین محلہ بی ماران کی طرف روانہ ہوا۔ آج
 رات کی بنا کا میا بی سے اُسکے استقلال اور ارادہ میں زیادہ پختگی ہو گئی تھی،
 اُسے احساس تھا کہ مرزا بلگرامی کے تمام گردہ کا ہتیرا بنی کو اڑالے جانے کی
 کوشش میں مصروف ہونا، کسی عورت کو بھجکا لے جانے کے لئے نہیں ہو سکتا۔
 بلکہ اس کی آٹ میں کوئی بڑا راز پوشیدہ ہے جس کا معلوم کرنا بحیثیت پولیس ان
 کے اُسکا فرض ہو۔ جو کچھ کھلے کا قتل اس سرعت کے ساتھ ہونا کسی اہم معاملہ

کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ گو کھلے ہیر آبائی کی تلاش میں دہلی آتا ہے اور قتل کر دیا جاتا ہے۔ وہ امداد کے لئے پولیس کے پاس نہیں آتا بلکہ خدائی فرجداروں سے رجوع کرتا ہے جس سے معاملہ کی سنجیدگی اور اہمیت دو بالا ہو جاتی ہے۔ اُسے یہ بھی تعجب تھا کہ بنا رسی داس جیسا آدمی گو کھلے سے کیا تعلق رکھ سکتا ہو ہوٹل سے روانگی کے وقت اُس نے لالہ جی کو کلرک سے باتیں کرتے دیکھا تھا۔ شاید مستعد اور مرتاب جنگ سے کچھ حال معلوم ہو سکے۔ اتنے میں مرتاب جنگ کا مکان آگیا، ایک کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور روشنی ہو رہی تھی۔ کٹدی کھٹکھٹائی۔ فوراً لوگ بہادر نے دروازہ کھولا۔

”کنور صاحب اور مستعد ہیں؟ میں اُن سے ملنا چاہتا ہوں“
 ”تھوڑی دیر ہوئی یہاں آئے ضرور تھے۔ مگر پھر چلے گئے، بہت پریشان اور ترمردہ معلوم ہوتے تھے۔“
 ”لیکن اُنکے کمرہ میں روشنی کیسی ہو؟“

”کنور صاحب کل باہر جانے والے ہیں، میں اُن کا سامان درست کر رہا ہوں، آئیے تشریف رکھیے اور اُنکی واپسی کا انتظار کیجئے۔“
 ”میں اس وقت مصروف ہوں۔ کنور صاحب سے کہہ دینا کہ علی الصبح آؤں گا۔“

یہ کہہ کر ذکا حسین روانہ ہوا۔ کوک بہادر دروازہ بند کر کے اوپر گیا۔ اول روشنی گل کی آہستہ سے کھڑکی بند کی اور سب دروازوں پر پیرے ڈال دیے۔ کچھ دیر انتظار کر کے روشنی کر دی کمرہ جگمگانے لگا۔ بیچ میں ایک کوچ پر ہیر آبائی

بیوشس پڑی تھی۔ مستود ٹھنڈے پانی کے چھینٹے اُسکے مُٹھ پر ڈال رہا تھا۔

لوک بہادر نے غور سے اُسکے چہرہ کی طرف دیکھا اور کہا

”معلوم ہوتا ہے کوئی تیز دوا بیوشی کی دی گئی ہو۔ کہیں مر نہ جائے۔“

”ممکن ہو۔ لیکن ہیرا بانی جوان اور مضبوط جثہ کی لڑکی ہے۔ مرینکے

قابل نہیں۔ اُسنے ابھی دیکھا ہی کیلے۔ یہ مرگئی تو ہمارا انتقام سخت ہوگا۔“

لوک بہادر نے لڑکی کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ پھر نبض دیکھی جو بہت کمزور تھی۔ ”بہتر ہو کہ ڈاکٹر رحمت کو بلایا جائے۔“

اتنے میں ہیرا بانی نے زور سے سانس لی، آنکھوں کی پلکوں کو جنبش ہوئی۔ اور مستود نے کہا۔

”اب ٹھیک ہے۔ مرگئی نہیں۔ کل تک سوائے درد سر کے اور کوئی

اثر بیوشی کی دوا کا نہیں رہے گا۔“

جیب سے ایک چھوٹی سی پچکاری جس میں دوا بھری ہوئی تھی نکالی

اور اس کے بازو میں سوئی کی نوک ڈال کر دوا کے چند قطرے بدن میں بھر دے اور گجراتی زبان میں کہا۔

”کھو لو کھو لو تو آنکھیاں پیاری“

ہیرا بانی نے کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں، قدرے سر اٹھایا

اور پوچھا۔

”میں کہاں ہوں؟“

آنکھیں پھر بند کر لیں اور خاموش ہو گئی۔

مستود نے گھڑی پر نظر ڈالی اور کہا

”اب ہیرا بائی کی جان کو خطرہ نہیں ہو۔ کل تک ٹھیک ہو جائے گی۔

وقت کم ہے۔ جلد ہی کرنا چاہیے۔ بلکہ آرمی اور رستم جی کے تمام گرو گئے ٹھیسٹر کے اس پاس موجود تھے کوئی دم میں آئیں گے، حملہ یہاں ضرور ہو گا۔“

ایک ہاتھ گردن کے نیچے اور ایک کمر میں ڈالکر لڑکی کو گود میں اٹھالیا۔

اور زمینہ اتر کر پشت کی جانب صحن میں پہنچا۔ عین اُس وقت ایک موٹر پشت کے

دروازہ پر آکر رُک گئی۔ آہستہ سے دروازہ کھولا اور شو فر کو بلا کر چند ہدایات دیں

موٹر بظاہر شفا خانہ سے منگائی گئی تھی ایک نرس موٹر سے اُتری، اُس کی

مدد سے ہیرا بائی کو موٹر میں لٹایا اور نرس نے اندر بیٹھ کر دروازہ بند کر کے

شیشے پڑھائے فوراً موٹر روانہ ہوئی۔

مستود نے کہا۔

”چاندنی چوک اور قلعہ کی سڑک سے تیز جاؤ۔“

مستود ابھی باہر ہی تھا کہ بائیں جانب سے پیروں کی آہٹ معلوم

ہوئی اور ایک بڑی سی امینٹ اُسکے کان کے پاس سے ہو کر گزری اور دیوار

میں لگی۔ مستود اچھل کر صحن کے اندر آیا اور دروازہ بند کر لیا۔ تینوں دوستوں

کو بڑی فکر تھی کہ بد معاشس کہیں موٹر پر حملہ نہ کریں لیکن اتفاق سے بلکہ آرمی

کے آدمی بائیں طرف سے آئے اور چاندنی چوک کی سڑک صاف تھی۔ چاندنی

چوک میں پہنچکر موٹر والے نے تین مرتبہ جلد جلد ہارن بجایا جو اس بات کا

اشارہ تھا کہ موٹر خطرہ کی جگہ سے نکل کر شاہراہ پر آگئی۔

تینوں دوست بالا خانہ پر جمع ہوئے اور معاملہ کی سنجیدگی پر گفتگو کرنے لگے۔ یہ ظاہر تھا کہ جس وقت رستم جی کو ہیرا بائی کی چھین جانے کا حال معلوم ہوا ہوگا وہ اپنے تمام کردہ کو لیکر ملی ماراں آئیگا۔ چنانچہ حملہ شروع بھی ہو گیا تھا اور مستعد کا سر اینٹ سے بال بال بچ گیا۔ لوگ بہادر کی رائے تھی کہ انسپٹر وقار حسین کو خبر کی جائے تاکہ وہ پولیس کے سپاہی مکان کی حفاظت کے لئے بھیج دے، لیکن اس معاملہ میں پولیس کی امداد لینا مناسب نہ تھا مستعد کو کچھ خیال آیا اور جلدی سے ٹیلیفون کا آلہ ہاتھ میں لے کر کہا۔

” ۵۵۵ افسر خفیہ پولیس سے جلد ملاؤ“

جب سلسلہ مل گیا تو کہا

” انسپٹر وقار حسین۔ کیا آپ ہیں ہم لوگ اس وقت بڑے

خطرہ میں ہیں مستعد کو بد معاشوں نے زخمی کر دیا ہے جلد پولیس کی امداد بھیجئے اور ایک ڈاکٹر بھی بڑی مہربانی“

لوگ بہادر کو تعجب تھا کہ ابھی تو یہ قصیدہ کیا گیا کہ پولیس کو خبر نہ ہو اور

مستعد اس کے خلاف انسپٹر وقار حسین سے مدد مانگتا ہے۔ ٹیلیفون کا آلہ رکھ کر مستعد ہنسا اور کہنے لگا۔

” رستم جی کے آدمی بڑے ہوشیار ہیں! انھوں نے ہمارے ٹیلیفون کا

سلسلہ صدر دفتر سے منقطع کر کے اپنے تار سے ملا دیا ہے تاکہ جو باتیں ہم کریں وہ لوگ معلوم کر لیں۔ ثبوت چاہئے تو سنو“

اتنے میں کسی نے دروازہ آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ کوک بہادر کھڑکی طرف گیا۔
لیکن مسعود نے روک دیا۔

”تم نے کھڑکی کھول کر سر باہر نکالا اور پستول کی گولی سے تمہارا کام تمام
ہوا۔ ٹھہرو۔ میں ایک ترکیب اور کرتا ہوں“
دوسرے کمرے میں گیا۔ الماری سے ایک بڑا سا انار نکالا، ہلکی سی
بانس کی سیڑھی لٹکا کر بالا خانہ کی چھت پر گیا اور انار میں آگ لگا دی۔ رستم جی
کے آدمیوں نے جو مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا سمجھا کہ انار چھوڑ کر پولیس کو
بلانا مقصود ہے۔ سب لوگ منتشر ہو گئے۔ اور تھوڑی دیر میں ایک کنسٹبل
دروازہ پر آیا اور زور سے آواز دی۔

”رات کو آتش بازی بغیر اجازت کیوں چھوڑی گئی؟“
مسعود اطمینان سے پیچھے اُترا اور دروازہ کھول دیا۔

باب غلبہ کسے ہوگا

رستم جی رات بھر کا تھکا ماندہ اور اپنی ناکامیابی پر مردہ گھر پہنچا۔ دروازہ پر ملازم کو سوتا پایا۔ مزاج برہم تھا، ہاتھ سے نہیں، ٹھوکر مار کر نوکر کو جگایا اور پوچھا،

”کوئی رات کو آیا تو نہیں تھا“

”جی ہاں۔ مرزا صاحب اندر موجود ہیں“

رستم جی نے اُور کوٹ اُتار کر ملازم کو دیا اور ملاقات کے کمرے میں

جا کر دروازہ بند کر لیا۔

آتش دان کے قریب چھوٹی میز بچھائے مرزا بلکہ آدمی شطرنج کے ٹبرے بساط پر رکھے ہوئے، شطرنج کا کوئی اہم معملہ حل کرنے میں متفرق تھے آہٹ پا کر چونکے اور رستم جی سے مخاطب ہو کر بولے۔

”مجھے دربار اکبری کے مشہور شاطر عبدالرحیم خان خانہ اور راجہ ٹوڈر مل کے ساتھ اتفاق نہیں ہو کہ بائیں چالوں میں مات نہیں ہو سکتی۔ آؤ اس نقشہ کو

دیکھو، پانچ نہیں صرف چار چالوں میں مات ہو سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ مخالف کا گھوڑا دوپٹی چال میں بیکار کر دیا جائے۔ کرسی سے کھڑا ہوا اور دریافت کیا۔
”نکھے اُمید ہے کہ آج شب کا معاملہ بخیر و خوبی انجام پایا اور آپ کامیاب واپس آئے“

”مرزا صاحب، مجھے اپنی ناکامیابی پر افسوس ہو خدائی فوجداروں نے پولیس کو بلالیا اور ہم ناکامیاب واپس آئے۔ مستعود البتہ زحمتی ہوا کہ مگر یہ کافی نہیں ہو“

”تو یہ کیسے جس طرح بند و ناکامیاب رہا آپ کے آدمی بھی۔ بند و نزل کا مستحق ہے اُسکا دار خالی گیا، اُس نے بڑی جلدی کی۔ ہمارے آدمی اپنی مقررہ جگہ پر پہنچے بھی نہ تھے“

مرزا صاحب آپ کو معلوم ہو یا نہیں، انپکٹر قفاح حسین ایک سندھی افسر کے ساتھ تھپڑ میں موجود تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بند و کی گرفتاری کی فکر میں تھے، اب اُس کی خیر نظر نہیں آتی“

”مجھے معلوم ہے لیکن جہاں میں نے اُسکے چھپانے کا بند و بست کیا ہو پولیس وہاں پہنچ نہیں سکتی“

صبح ہونے والی تھی مرزا نے کھڑکی کھول کر باہر دیکھا۔ سڑک پر دو آدمیوں کو ایک درخت کے نیچے کھڑا پایا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ پولیس آپ کے مکان کی نگرانی کر رہی ہے۔ یہ تو بتائیے کہ تھراپالی کہاں ہے۔ آج اُسے مدرسہ میں موسیقی اور مصوری کا

سبق دینا ہے

”مجھے نہیں معلوم ہیرا بانی کہاں ہو، خیال ہوتا ہے کہ میرٹھ اپنی پھوپھی کے گھر بھجی گئی۔ پولیس اور خدائی فوجدار دونوں اس معاملہ میں ملکر کام کر رہے ہیں، معمولی تدابیر سے کام نہ چلے گا۔ سختی اور جبر ضروری معلوم ہوتا ہو، بہر حال جو کچھ ہو ہیرا بانی کو واپس لانے کا میں ذمہ لیتا ہوں۔“

”بہتر ہے، لیکن لالہ بنارسی داس کی دیکھسی اس معاملہ میں اہمیت سے خالی نہیں۔ مجھے اب تک معلوم نہ تھا لیکن کل شام کی ڈاک سے جو کاغذات میسر ہوئے ہیں، ان سے بخوبی ثابت ہے کہ گو کھلے بنارسی داس کے مشورہ پر ہیرا بانی کی تلاش میں دہلی آیا تھا، تاہم میرے گو کھلے کاراز باوجود جبر و سختی کے معلوم نہ کر سکا اور نہ اس کے اسباب میں وہ ضروری کاغذات ملے جو ہماری کامیابی کے لئے ضروری ہیں۔ اس مسئلہ کا ملنا ضروری ہے جس کی رو سے بھوپال کی سرکار نے دیوان گنج کا جنگل تاجری میں دیا تھا۔ علاوہ اسکے وہ جگہ بھی معلوم ہونا چاہیے۔ جہاں لال کھوڑا قلعہ ہے اور وہاں تک پہنچنے کی کئی بھی دستیاب ہونا چاہیے۔ پھر ایک خط بندل سے نکالا جس کا مضمون یہ تھا۔

تمہارا خط پہونچا۔ اطمینان رکھو معاملہ معلومہ کے متعلق ایک لفظ بھی کسی سے نہ کہہ سکا۔ میرے یہاں تھامی خطوں کو کوئی نہیں پڑھ سکتا۔ معاملہ ایسا اہم ہے کہ تمہیں فوراً ہیرا بانی کی تلاش کرنا چاہیے۔ پانچ سو روپیہ سروسٹ بھیجتا

ہوں، جب دہلی آگے تو حسب ضرورت روپیہ لے سکتے ہو

بنارس داس

”اس سے صاف ظاہر ہے کہ بنارسی داس کو گو کھلے کاراز معلوم ہے
مجھے یقین ہے کہ اصلی سند اور دیگر کاغذات بھی سیٹھ بنارسی داس کے
پاس گو کھلے نے بھیج دیے ہیں۔“

”مجھے اطلاع ملی ہے کہ رات کو گو کھلے کی موت کے بعد بنارسی داس
اسکی تلاش میں کشمیری ہوٹل گیا تھا۔“

”قبل اسکے کہ پولیس یا بہرام بنارسی داس کی طرف توجہ کریں ان
کاغذات کا ملنا ضروری ہو۔ سیٹھ جی کے دفتر میں میرا ایک مریہ کام کرتا ہے
اس سے معلوم ہوا کہ سیٹھ جی اپنے دفتر میں وہی کاغذات رکھتے ہیں جن کا
تعلق کاروبار سے ہو۔ وہ دفتر بہت کم آتے ہیں، انکا منہج سب کام کرتا ہے،
ان کاغذات کی تلاش گھر پر ہونی چاہیئے، یہ بھی ضروری ہو کہ بنارسی اس
یا تو ہمارے قبضہ میں آجائے یا اسکی زبان ہڈیہ کیلئے بند کر دی جائے۔ تم
صرف بہرامانی کو واپس لا دو۔ بنارسی داس کا میں ذمہ لیتا ہوں۔“

”لیکن خدائی فوجداروں کی طرف سے بڑا اندیشہ ہے۔“

”تم مطمئن رہو مسعود کا خاتمہ تو اب تک ہو گیا ہوتا مگر بندو کا وار
خالی گیا۔ بہرام اور اس کے شاگرد غیر فانی نہیں ہیں، میرے سانپ کی
دست رس سے بچ نہیں سکتے۔“

”دو غیر فانی نہیں ہیں تو ہم کہاں ہیں، سوال یہ ہے کہ غلبہ کس کی

قسمت میں ہر

مرزا مسکرایا، اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا، گویا مرزا کو اپنی کامیابی پر

کامل یقین تھا،

صبح ہونے والی تھی رستم جی سے رخصت ہو کر گھر پہنچا۔ بظاہر پولیس والے ابھی تک بندہ کی تلاش میں وہاں نہ پہنچے تھے۔ احاطہ کا پٹھا کس بندہ کیا، اور اپنے کمرے میں پہنچ کر بندہ کو آواز دی۔

بندہ جو رات کے وقت بمبئی کے سیٹھ کے لباس میں تھپڑ گیا تھا ایف بیٹ اپنی اصلی حالت میں ایک کیشیف بنیان پہنے اور تہ بند باندھے اندر آیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔

”بندہ وارات تم نے بڑی حماقت سے کام لیا۔ وقت کے پہلے تم نے

ہیرا آبی کو بیوش کر دیا اور مستعد پر تھا راوار خالی کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری قسمت میں گرفتاری اور سولی لگھی ہے“

”حضور قصور ہوا۔ معاف کیجئے۔ اکی بار ایسی خطا نہ ہوگی، بہت احتیاط

سے کام کر دل گا“

”اپنے کان پکڑو، اور سچا پس منہ اٹھا بیٹھی کرو“

بندہ نے بلا چون ڈچرا معصوم بچوں کی طرح اپنے مرشد کے حکم

کی تعمیل کی۔

مرزا برابر کے کمرے میں گیا جو فضل رہتا تھا اور وہاں سے ایک شیشہ کی

بوتل جس پر سیلہ غلات چڑھا ہوا تھا نفل میں دبا کر لایا۔ اور بندہ کو باہر آنے کا

اشارہ کیا۔ احاطہ کے گوشہ میں جہاں پرانی عمارات کا کھنڈر تھا گیا۔ ایک جگہ مٹی کو پیر سے صاف کیا۔ ایک پٹ لوہے کا نظر آیا۔ جس میں کڑا لگا ہوا تھا بندو نے کڑا پکڑ کے پٹ اٹھایا تو نیچے اترنے کیلئے زینہ نظر آیا۔ آگے بندو کو بھیجا پھر پٹ بند کر کے خود اُترا۔ دو تین سیڑھیاں اتر کر بجلی کی روشنی کا بٹن دبایا اور زینہ روشن ہو گیا۔ جیب سے کچی نکالی اور ایک مضبوط دروازہ کھولا۔ دروازہ کے پاس بٹن دبایا تو تہ خانہ بھی روشنی سے منور ہو گیا۔ یہ شاہی وقتوں کا بنا ہوا تہ خانہ تھا، مگر کشادہ اور ضروری سامان سے آراستہ تھا۔

”بندو، جان کی خیر مناتے ہو تو خاموشی کے ساتھ یہاں ٹھہرو تبھارے کھانے پینے کیلئے سب سامان یہاں موجود ہے۔ آتش دان میں آگ جلاؤ اور کمرہ کو گرم رکھو۔ خبردار اس بوتل کو نہ چھونا“

بوتل آتش دان سے کچھ فاصلہ پر رکھ دی اور کمرہ بند کر کے باہر گیا اپنے نشست کے کمرہ میں واپس جا کر بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ چند ملازمان پولیس بندو کی تلاش میں آ پہنچے۔

باب

سانپ کا مالک

ہوٹل میں گونگھلے کے سامان و اسباب کی تلاشی لیکر انسپکٹر وقار حسین باپ جبار ہاتھاکہ اُس نے بنارس سی داس کو ہوٹل کے باپو سے گونگھلے کے متعلق گفتگو کرتے پایا تھا۔ اُسے تعجب ہوا کہ بنارس سی داس جیسے آدمی کو ممبئی میں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ دوسرے دن صبح کو ہوٹل واپس گیا اور باپو سے دریافت کیا، لیکن کوئی مفید بات معلوم نہ ہوئی۔ اُس نے ارادہ کیا کہ برادر اسیلٹھ بنارس سی داس سے دریافت کرنا چاہیے۔ راستہ میں محلہ ملی آثاران سے گذرنا تو خیال ہوا کہ خدائی فوجداروں سے ملتا جائے۔

فوراً اطلاع ہوئی اور زینہ چڑھ کر اوپر پہنچا۔ ایک کمرے میں سفید دوست ہاشمتہ کی میز کے گرد بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وقار حسین کو بھی مدعو کیا اور ایک پلیٹ اُنکے سامنے بڑھائی۔ تینوں دوست شب گذشتہ کی مصروفیت اور اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھے۔ انسپکٹر وقار حسین نے کہا۔

”پولیس نے مرزا بگڑامی کی کوٹھی کا کونہ کونہ تلاش کیا مگر نبرد نہ ملا

معلوم ہوتا ہے کہ اُسے کہیں بھیجا دیا ہو۔
مستعد نے کہا:۔۔

”جند و مزار کے مکان سے کہیں زیادہ دور نہیں ہے۔ میں ان نکلنے سے پہلے وہاں گیا اور احاطہ کی دیوار پر چڑھ کر نگراں کرتا رہا، بندہ کہیں نہیں گیا ہے وہیں کہیں چھپا دیا ہو۔“

”اور مزار کا دوسرا مردہ مولانا بخش ملایا نہیں؟“
”ہاں وہ موجود تھا۔ برآمدہ میں مزار کے لئے چاؤ کا اپنی گرم کر رہا تھا۔ اُس سے کوئی مفید بات معلوم نہ ہو سکی۔“

مستعد نے چاؤ کی پیالی ہاتھ سے رکھی اور کہا۔

”تو یہ صحیح ہے کہ بندہ گرفتار نہ ہو سکا۔ بندہ بڑا عجیب آدمی ہے رات اُس سے بڑھ چھوڑ ہوئی مگر ایک لڑکی بیہوشی کے عالم میں میرے ساتھ تھی، میں بندہ کی خبر نہ لے سکا۔ ممکن تھا کہ اس کی مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کل ہو جاتا، یعنی یہ کہ میں اُسے گرفتار کر کے پولیس کے حوالہ کر دیتا۔“

”بیشک مجھے یقین ہے“

”لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سندھی بد معاش سونی پر نہ بٹلے گا۔ اس کا خاتمہ کسی اور طرح پر ہوگا۔ اور یہ کہیے کہ آپ لالہ بنارسی داس سے ملنے کب جائیں گے؟“

انسپیکٹر حنیکا۔

”تم عجیب آدمی ہو۔ تمہیں کیسے معلوم کہ میں لالہ بنارسی داس سے ملنا

ضروری خیال کرتا ہوں۔ میں اسوقت اُسکے پاس جا رہا ہوں۔
 ”ضرور جائیے، ممکن ہو کہ لالہ بنارسى داس آپ کو مدد دے لیں۔“
 ”کیا آپ انہیں جانتے ہیں؟“

”ابھی ذرا دیر ہوئی ٹیلیفون پر اُن سے باتیں ہوئیں، انکسپکٹر صاحب آپ
 انکی حفاظت کیلئے پولیس کا معقول انتظام کر دیں تو مناسب ہو۔“
 ”یہ کیوں انہیں کس بات کا خطرہ ہو؟“

”صرف جان کا اندیشہ ہو کہ سانپ ان کی طرف بھی رُخ کرے، اگر سپرے
 کو یہ معلوم ہو گیا کہ بنارسى داس کو کھلے کے راز سے واقف ہو۔“
 ”تم لوگ معمول میں باتیں کیوں کرتے ہو، صاف کیوں نہیں بتاتے کہ
 کیا معاملہ ہو، تم اس طرح باتیں کرتے ہو گویا سانپ کی اصلی کیفیت سے واقف ہو
 اور جب چاہو اُسے پکڑ سکتے ہو۔“
 ”بیشک“

”یہ صحیح ہے تو بتاؤ سانپ کس کے قابو میں ہو؟“
 ”مرزا بلگرامی کے“

انکسپکٹر جبرت سے تینوں دوستوں کو دیکھنے لگا۔ اُسے یقین نہیں
 آتا تھا کہ مرزا بلگرامی جو عوام میں اس قدر عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور
 حکام دہلی جس کے اثر سے اکثر کام لیتے ہیں، ایسا خطرناک مجرم ہے۔ اُس کے
 تقدس اور فقیری پر انکسپکٹر پولیس کو شک ضرور تھا۔ لیکن یہ خیال دگمان بھی تھا
 کہ مرزا ایک خوفناک گروہ کا سردار ہے۔

”الینکٹر صاحب، اس میں شک کرنے کی بات ہی کیا ہو، ہم سمجھتے تھے کہ پولیس اس نتیجہ پر خود ہی پہونچ گئی ہوگی، ثبوت درکار ہے تو ان سب آدمیوں کی طرف خیال کرو جواب تک سانپ کا شکار ہو چکے ہیں، اول دہلی بنک کا ایک بابو مرزا اس بنک میں مرزا اپنا رویہ رکھتا ہے بابو کو معلوم ہو گیا تھا کہ تبلیغ کے نام سے جو روپیہ جمع کیا گیا ہے مرزا اُسے اپنے کام میں لاتا ہے۔ اُس نے مرزا کو دھمکی دی تھی کہ تبلیغ کے جلسہ میں اُسکا بھانڈا پھوڑیگا۔ مرزا نے اُس بابو کو خطرناک سمجھا اور اُسکا خاتمہ کر دیا۔

”دوسرا احمد جان جو کسی زمانہ میں مرزا کا شریک کار تھا اور پنجاب و ہند میں مرزا کی طرف سے کام کرتا تھا۔ مدیرہ صوفیہ کیلئے اُس نے رقم کثیر جمع کی لیکن دیر کی تقسیم پر مرزا سے جھگڑا ہوا، مرزا کے چند خطوط اُس کے قبضہ میں تھے اُس نے انہیں اشایع کرنے کی دھمکی دی۔ شام کے وقت پارک میں گیا، خطوط اُسکے جیب میں تھے، گھر واپس نہ آیا اور راستہ میں سانپ نے دُس لیا جب پولیس پہونچی تو خطوط اُسکی جیب میں نہ تھے“

الینکٹر و فارحین۔ ”واقعی تم لوگوں کا طریقہ تفتیش عجیب و غریب ہو لیکن یہ تو بتائیے کہ سانپ جیسے کیڑے کو کوئی آدمی کس طرح سدھا سکتا ہے کہ جہاں اور جس وقت کام لینا چاہے وار خالی نہ جائے۔ مثلاً گو کھلے کی موت کا خیال کرو، پولیس کا کنسٹبل قریب موجود تھا اُسکی نگرانی کر رہا تھا سانپ اسکی گردن تک کس طرح پہونچا“

خدائی فوجداروں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور تمہقہ لگایا۔ سہو نے کہا

”چند روز میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ سانپ کس غضب کا ہے۔“
 نہ انسانی آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ اس کا حملہ کوئی روک سکتا ہے۔ ہمیشہ گردن
 یا منہ پر کاٹتا ہے۔ کل شب کو سانپ میری طرف لپکا۔ لیکن خیریت ہوئی۔ میں
 ہوشیار نہ ہوتا تو آج قبرستان میں آرام سے سوتا ہوتا۔ اگر سانپ نے پھر کبھی میری
 طرف رخ کیا تو یقین کیجئے کہ آپ کی تمام پولیس اور فوج سانپ کے مالک
 کی جان نہیں بچا سکتی۔“

اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور لوک بہادر نیچے گیا۔ تھوڑی دیر بعد
 ایک دراز قد اور نیکیل جوان کے ساتھ واپس آیا اور کہا۔

”یہ بکرم سنگھ صاحب ہیں آپ اسنے ملکر خوش ہو گئے۔“
 سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ بکرم سنگھ نے سلام کیا اور ہاتھ بڑھا کر پوچھا،
 ”کنور مہر آب جنگ صاحب کون سے ہیں؟ میں چند منٹ تنہائی میں

باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

مہر آب جنگ نے بکرم سنگھ سے مصافحہ کیا اور کہا۔

”مہر آب جنگ مجھے کہتے ہیں، اس کرسی پر شریف رکھیے، میرے دوست
 مستود اور لوک بہادر ہیں، اور آپ انیکٹر و قارحین ہیں جو مجھ پر بڑے مہربان ہیں
 ان کی موجودگی میں آپ بلا تکلف باتیں کر سکتے ہیں، لیکن آپ اول ناشتہ میں
 ہمارے ساتھ شریک ہوں تو بہت خوشی ہوگی۔“

”بڑی مہربانی لیکن میں صبح کو ناشتہ نہیں کرتا۔ البتہ ایک پیالی چائے کے

ساتھ پی سکوں گا۔“

کر سی پڑ بیٹھ گیا اور لوگ بہادری سے چاؤ کی پیالی بنا کر کرم سنگھ کے سامنے رکھی ، ایک گھونٹ پی کر پیالی نیچے رکھی اور کہا ۔

”بڑے فرے کی جا رہے ہیں ۔ میں نے مدت سے ایسی چاؤ نہیں پی ، کشمیری چاؤ کا کیا کہنا ۔ آج کل جہاں جاتا ہوں انگریزی وضع کی چاؤ دیتی ہے جس میں سولے گرم پانی کے اور کچھ نہیں ہوتا ۔ کنور صاحب ۔ معاف کیجئے کیا خدائی فوجداروں کے سب ممبر یہاں موجود ہیں ؟“

مہربان جنگ مسکرایا

”ہم لوگ معمولی آدمی ہیں ۔ خدائی فوجداروں کا نام آج آپ سے سناؤ“
”تعجب ہے ! تو کیا ایک مرہٹہ ، گوگھلے نامی آپ کے پاس نہیں ، کسی اور سے ملنے آیا تھا“

”بیچارہ گوگھلے ہمارے پاس ضرور آیا تھا ، لیکن انہوں نے کہ قبل اسکے کہ ہم اسکی کچھ مدد کر سکتے وہ مر گیا“

”یہ مجھے معلوم ہے ۔ میں اسی موت کے سلسلہ میں آپ سے ملنے آیا ہوں ۔ کنور صاحب اگر کوئی آپ سے کہے کہ گوگھلے سانپ کے کاٹے سے مر رہے تو ہرگز یقین نہ کیجئے ۔ مجھے سانپوں کا بہت تجربہ ہے لڑکپن سے میں سانپوں کے ساتھ کھیلتا ہوں ۔ کئی بار سانپ نے مجھے کاٹا ہے مگر ایسا سانپ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا جو اس طرح کاٹے گوگھلے قتل کیا گیا ہے ۔ مجھے اس کی موت کا سخت افسوس ہے ۔ تاوہ کے جنگل میں بد معاش اُسے مار ڈالتے اگر میں اتفاقاً وہاں نہ پہنچ جاتا

میں نے اُسے بد معاشوں کے جنگل سے چھوڑا۔“
 ”کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ بد معاش گو کھلے کے ساتھ اس بے رحمی کا
 بڑاؤ کیوں کر رہے تھے؟“

”وہ لوگ اُس سے ایک تحریر یا خط لینا چاہتے تھے جو اُس وقت
 اُس کے پاس نہ تھا۔ سوائے اس کے کچھ نہیں کہا گیا۔ آپ لوگوں سے
 اس کا ذکر نہیں کیا گیا؟“

”مطلق نہیں! اس تحریر میں ایسی کیا اہمیت تھی؟“

”مجھے نہیں معلوم، مگر وہ کہتا تھا کہ دہلی کے خدائی فوجداروں سے
 مدد لے گا۔ آپ لوگوں پر اُسے بڑا بھروسہ تھا۔ اور اُس سے مجھے آپ کا نام
 اور پتہ معلوم ہوا۔ میں اُس کی تلاش میں تھوڑی دیر موٹی ہوئی گیا تو معلوم ہوا
 کہ وہ مر گیا۔ میں فوراً یہاں آیا تاکہ آپ سے کہہ دوں کہ گو کھلے قتل کیا گیا ہے
 غریب سانپ کو جو ایسا سیدھا اور شرمیلے بے ضرر جانور ہے ناحق بدنام کیا گیا ہے
 میں چاہتا ہوں کہ آپ مجرم کو تلاش کریں اور اس کی موت کا انتقام لیں۔
 سانپ کی مصدومیت ثابت کرنے میں یا جس طرح آپ مناسب سمجھیں مجھے
 مدد دیں، میں سانپ کی شرافت اور ماہیت سے بخوبی واقف ہوں“

یہ کہہ کر آئین اور چڑھائی اور کہا۔

”یہ دیکھئے! میری کلائی پر یہ نشان کالے ناگ کے کالے کا ہے۔“

دوسرا نشان کوڑیا لے کا..... تیسرا کراپٹ کا..... چوتھا اجڑا میرے جسم
 سانپ کا اتنا زہر ہو چکا تھا کہ اب کسی زہر کا مطلق اثر ہی نہ ہوگا، میں

خیال کرتا ہوں کہ اس خوفناک سانپ کے پکڑنے اور کچلنے میں آپ مجھے مدد لے سکتے ہیں“

مستعود نے سنجیدگی سے کہا

”بھئیک! اس معاملہ میں آپ کی مدد بہت مفید ہوگی اور میں خیال کرتا ہوں کہ سانپ کی سرگرمی کا یہی عالم رہا تو یقین کیجئے آج سے ایک ہفتہ کے اندر ہم سب میں سے سولے کنور بکرم سنگھ کے اور کوئی زندہ نہ رہے گا۔“

اس بیان کو سن کر انپکسٹرو قارحین جو معمولاً کبھی کسی خطہ سے پریشان نہ ہوتا تھا لرز گیا۔

باب

عجیب خواب

صبح کو ہیرا بانی کی آنکھ کھلی، کروٹ بدلی، اسراس قدر بھاری تھا کہ مشکل سے حرکت ہوتی تھی۔ سامنے کھڑکی کھلی پائی۔ جہاں سے بارغ کے درخت نظر آتے تھے۔ مول سری کا دخت ویسا ہی تھا جسے ہر روز دیکھا کرتی تھی۔ دوسری طرف کروٹ بدلی تو دیوار پر ٹیگور کی تصویر نظر پڑی۔ یہ تصویر بھی ویسی ہی تھی جیسی اُسکے کمر میں آویزاں ہے۔ سر کو ماتھے سے دبایا اور ہمت کر کے ٹیگور کی پیادوں طرف نظر ڈالی، اپنی خوابگاہ میں اگر حیران ہو گئی پھر خیال یاد کو زنگی

”ان! میں کیسی بیوقوف ہوں، میں نے جو کچھ دیکھا وہ خواب تھا۔ میں کہیں نہیں گئی تھی اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ مگر کیا عجیب خواب تھا“

ڈاڑھی والا، سولوی، راحت منزل کی آرایش، تھپڑ کا سماں اور ٹیڈ بالن جی کی خوش طبعی اور ذہنی کا نقشہ آن واحد میں اُسکے سامنے آ گیا، کسی نے دروازہ کھولا اور اسکی بھوپھی شیریں بانی جس کے چہرے سے حُجّہ کی پریشانی کا اظہار ہوتا تھا اندر آئی۔

”بانی جی! میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے؟“

شیریں بانی نے ناشتہ کی کشتی چھوٹی ٹینر پر رکھی اور ہیرا بانی کو گلے لگایا،

”مائی جی! بتاؤ مجھے یہاں کون لایا؟“
 ”تم دو آدمیوں اور ایک نرس کے ساتھ یہاں آئیں“
 ”نرس! یہ کیوں، میں تو اچھی خاصی ہوں انرس کی کیا ضرورت پڑی۔“
 میں اسپتال تو نہیں گئی تھی؟

”بیٹی، شکریہ کر دو۔ بڑی خیریت ہوئی۔ میں پہلے ہی کہتی تھی کہ دہلی شہر بڑی جگہ ہے۔ تمہارا تنہا دہاں جانا ٹھیک نہیں ہے۔ نرس بیچے موجود ہے، اُس سے معلوم ہوا کہ محلہ ملی ماران سے مستود نے تمہیں اُس کی نگرانی میں یہاں یہاں بھیجا ہے۔ تم بیہوش تھیں۔“

”مستود! اُخدا لئی فوجدار دل کا ممبر، خدائی فوجدار میرے نگراں ہیں تو پریشانی کی کوئی بات نہیں“

”تم نوجوان اور نا تجربہ کار ہو، میں سخت پریشان ہوں۔ ایسا معلوم ہوا کہ ہم کیا ایک کسی غلطی میں پڑ گئے ہیں علاوہ نرس کے جو دو مرد تمہارے ساتھ آئے تھے، باری باری سے مکان کا پھرہ دے رہے ہیں، وہ دیکھو، سامنے پھاٹک پر اُن میں سے ایک آدمی کھڑا ہو“

”میں جلد تیار ہو کر کیچے آتی ہوں خود نام باتیں اس سے دریافت کر دو گی“
 ہاتھ منھ دھویا، جلدی جلدی ناشتہ کیا۔ چائے کی پیالی پی اور کپڑے بدل کر بیچے اُتر سی۔ اتنے میں ایک قیمتی اور بڑی سی موٹر پھاٹک پر رکی۔ ایک معمولی جو وضع قطع سے شریف اور متمول معلوم ہوتا تھا مکان کی طرف آیا۔ شیریں مائی نے اُسے پہلے بھی نہیں دیکھا تھا۔ کچھ دریافت کر کے ملاقات کے کمرے میں گئی

اور میرا بائی سے کہا۔

”خدا جانے کیا معاملہ ہے۔ ایک صاحب لالہ بنارس داس دہلی سے آئے ہیں اور تم سے تنہائی میں باتیں کرنا چاہتے ہیں، میری رائے میں مناسب نہیں ہے۔“

”وہ بائی جی۔ آپ اس قدر ڈرتی کیوں ہیں، خدائی فوجدار ہمارے گراں ہیں تو ہمیں ڈر کس بات کا ہے۔ میں ضرور لالہ صاحب سے ملو گی“

لالہ بنارس داس ادب کے ساتھ کمرہ میں داخل ہوئے۔ شیریں بائی کمرہ کا دروازہ بند کر کے باہر گئی۔ لالہ صاحب نے سلام کیا اور کہا:

”بائی صاحب، مجھے انسو ہے میں اس وقت یہاں آیا۔ سنتا ہوں آپ کی طبیعت نامناسب ہو۔ لیکن ایک نہایت ضروری معاملہ کی نسبت آپ سے باتیں کرنا ضروری تھا۔ اُمید ہو کہ آپ میری جسارت کو معاف کریں گی۔“

”آپ نے بڑی غایت کی۔ تشریف رکھیے اور بتائیے کہ معاملہ کیا ہے؟“

”معاذ بہت اہم ہے اور آپ کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ کیا آپ

گو کہلے کو جانتی ہیں؟

”نام سنا ضرور ہو لیکن یہ یاد نہیں کس سلسلہ میں“

”گو کہلے مکمل شام کو مر گیا“

میرا بائی چونکی ”کیا وہ شخص جسے پارک میں سانپ نے کاٹ لیا؟“

”ہاں، وہی، کیا اُس نے آپ کو بھی خط لکھا؟“

”جی نہیں کبھی نہیں“

”آپ کے والد انجینئر تھے؟ کیا آپ اُنکے متعلق کچھ بتا سکتی ہیں؟“
 ”جی ہاں میرے والد انجینئر تھے۔ شاید ریاست بھوپال میں کام کرتے
 تھے میں بہت چھوٹی تھی جب ان کا انتقال ہوا۔“
 ”کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ جب ان کا انتقال ہوا تو وہ بھوپال میں کس
 جگہ تھے اور کیا کام کرتے تھے؟“

”مجھے ٹھیک نہیں معلوم لیکن میری پھوپھی بتا سکتی ہیں“
 ”باہر گئی اور چند منٹ کے بعد شیریں بائی سے باتیں کر کے واپس آئی“
 ”میرے والد ریاست بھوپال میں انجینئر تھے۔ سرکار عالیہ نے انہیں
 معافی میں بہت گاؤں بھی دئے تھے۔“

”کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ یہ گاؤں بھوپال میں کس جگہ واقع ہیں؟“
 ”ٹھیک تو معلوم نہیں، میں وہاں کبھی نہیں گئی لیکن شاید ساپچی ٹپ
 کے قریب“

”آہا! یہ بہت مفید بات ہے۔ کیا آپ کے پاس فارسی زبان کا کوئی
 زمان سرکار عالیہ بھوپال کا ان ملاحظعات کے متعلق موجود ہے؟“
 ”جی نہیں! کبھی نہیں دیکھا۔ فارسی زبان میں کوئی تحریر ہوتی تو مجھے ضرور
 یاد ہوتی۔“

”کیا آپ اپنے والد کے متعلق مجھے کچھ بتا سکتی ہیں؟“
 ”زیادہ حالات تو مجھے معلوم نہیں مگر یہ سنا تھا کہ وہ شکام کے بڑے

ثوقین تھے اور اسی خیال سے ایسے لوازمات متاجری میں حاصل کئے تھے جہاں بہت جنگل ہے۔ ساپنچی ٹوپ کے آس پاس پڑنے کھنڈ رہیں اُن کے دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ اور شاید کسی کان کی تلاش میں وہاں گھومتے تھے، میرے والد کو ان کی مداخلت پسند نہ تھی۔ انہیں لوگوں میں سے میرے والد کو کسی نے مار ڈالا اور مشہور یہ ہوا کہ بیچنے سے مر گئے۔

”اس بیان سے معاملہ صاف ہو گیا میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں“
 ”لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ معاملہ کیا ہے۔ کیا بیچارہ گوشت کھلے کو اس معاملہ سے تعلق ہے؟“

”گوشت کھلے کل ہی تھو پال سے یہاں آیا تھا۔ اُس کی شرافت اور ایمانداری کا مجھے بار بار خیال آتا ہے کہ کوئی دوسرا ہوتا تو اُس راز کی مدد سے جو اُس کے قبضہ میں تھا مالا مال ہو جاتا اور آرام سے معمول آدمیوں کی زندگی بسر کرتا لیکن اُسکی دیانت اُسکی موت کا سبب ہوئی۔“

”میں کچھ سمجھی نہیں، صاف کیسے معاملہ کیا ہے؟“

”میں کتنا چاہتا ہوں لیکن کہتے ہوئے ڈرتا ہوں۔ بیچارہ گوشت کھلے اس راز سے واقف تھا اور کل قتل کیا گیا۔ آپ کو حق ہے کہ اس راز سے واقف ہوں وہ میرا ہی ارادہ سے یہاں آیا تھا کہ جو کچھ جانتا ہوں آپ کے کہہ ڈالوں کیونکہ دراصل اس راز کا تعلق تمھاری ذات سے ہے۔“

”گوشت کھلے کل قتل کی اسلئے آیا تھا کہ آپ کو تلاش کرے اور جو کچھ وہ جانتا ہے آپ کو بتائے اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو۔ مگر اُس کی قیمت میں موت تھی۔ یہ بہتر

ہوگا کہ اس وقت آپ کو زیادہ رحمت نہ دوں اور گھر جا کر اپنے وکیل کو بلاؤں اور اس سے معاملہ منے ہر پہلو پر گفتگو کرنے کے بعد آپ کو نسل واقعات بذریعہ تحریر بھیج دوں۔ میں آپ کو نہ ڈرانا چاہتا ہوں اور نہ سر دست کوئی اُمید دلانا چاہتا ہوں صحت انا البتہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر یہ معاملہ بخیر و خوبی انجام کو پہنچ جائے تو آپ اپنے والد کی درشتی کی مالک بن جائیں گی۔ ہاں یہ تو سنئے کہ آپ انور مہربان کو جانتی ہیں؟

”کون مہربان جنگ؟ نیپالی شہزادہ جو خدائی فوجداروں کا سردار ہو“

”کیا آپ انھیں جانتی ہیں اور کبھی ملاقات ہوئی ہو؟“

”جی نہیں مجھے کبھی ملاقات نہیں ہوئی“

”کیا آپ لوگ بہادر یا مستعد کو کبھی نہیں جانتی؟“

”ہیرا بانی مستعد کا نام سن کر چونکی اور قدرے تامل کے بعد بولی۔“

”مجھے ان لوگوں کے ساتھ ذاتی واقفیت نہیں ہے۔ انا البتہ سنا ہو“

کہ یہ لوگ دہلی کے خدائی فوجدار ہیں۔ کیا آپ انھیں جانتے ہیں؟

”ملاقات کبھی نہیں ہوئی اُن کی نسبت طرح طرح کے قصے مشہور ہیں“

آج البتہ مہربان جنگ نے ٹیلیفون پر مجھ سے باتیں کیں۔ بہت مختصر، مگر اس سے

اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہ نہایت زیرک اور چاق و چوبند آدمی ہیں۔ مناسب ہوگا کہ

میں اس معاملہ میں اُن سے مشورہ کر دوں“

”آپ کی رائے صحیح ہے، ہیرا بانی نے جوش سے کہا۔“

”لیکن شاید آپ نہیں جانتیں، مہربان جنگ ایک زمانہ میں نئی وضع کے

تراقوں کا سردار تھا پولیس کو بہت پریشان کیا اب شاید پولیس سے کچھ سمجھوتہ ہو گیا ہے اور وہ بجائے جرائم کرنے کے مجرموں کو خود سزا بھی دیتا ہے جو قانون کی گرفت میں نہیں آتے۔

”لیکن ان لوگوں سے مشورہ کرنے اور مد لینے میں کیا مضائقہ ہے؟“
 ”میں اس پر غور کر دوں گا۔ آپ اجازت دیں تو میں اب گھر واپس جاؤں۔“
 کل آپ میسرے خط کا انتظار کریں۔

لالہ بنارسی داس رخصت ہوا، عین اُس وقت دہلی کے ایک مکان میں نرالا بگرامی اُسے اپنی راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کر رہا تھا۔ غالباً اُس کی قسمت میں بھی وہی حادثہ تھا جو غریب گوٹھ کھلے کر پیش آیا۔ لیکن محلہ ملی ماران میں مہربانجگ اور اُسکے دوستوں نے خطرہ کا احساس کیا اور بنارسی داس کی حفاظت کا ارادہ کر لیا۔

۱۰ دیکھو نیلی چٹھری اور بہرام کی گرفتاری، مرتبہ ظفر عمر

باب

پہلا حملہ

لالہ بنارس داس کو رخصت کر کے ہیرا بائی واپس ہوئی۔ بچا تک کے قریب ایک آدمی کو جو اُس کے ساتھ آیا تھا موجود پا کر دریافت کیا۔

”کیا تم دن بھر یہاں پاس بانی کرتے رہو گے؟“
”آج شام تک، اُس کے بعد دو اور آدمی لالہ کرتی سے آکر ہماری جگہ پرہ دیں گے“

”تمہیں یہاں کس نے بھیجا اور تمہارا نام کیا ہو؟“
”مجھے کچھ خاں کہتے ہیں۔ ہمیں کنور مہراب جنگ نے یہاں بھیجا ہے۔“

”لیکن کیوں؟ کیا کوئی خطہ ہے؟“
”یہ مجھے نہیں معلوم، لیکن کنور صاحب کی کوئی بات دور اندیشی سے خالی نہیں ہوتی، وہ بہتر جانتے ہیں۔“

ہیرا بائی اپنے کمرہ میں واپس گئی اور معاملات پر غور کرنے لگی۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اخبار میں اشتہار اُسے دہلی بلانے کے لئے دیا گیا تھا تاکہ وہ مرزا گلابی کے قبضہ میں آجائے۔ اُسے یہ بھی خیال ہوا کہ جس وقت سے وہ بلگرامی بلڈنگ

بس داخل ہوئی، سخت نگرانی میں رہی۔ باہر گئی۔ تو مزارِ بلگرامی ساتھ تھے تمام کو کھلا بائی اُسے اپنے ہاں لے گئی اور برابر ساتھ رہی اور سیٹھ باہن جی کے سپرد کر دیا جس نے اُسے روٹیں کوئی چیز ملا کر بیہوش کر دیا۔

بیہوشی سے کچھ پہلے اُس نے تھپڑ کے دروازہ پر مستعد کو دیکھا جو اس کی نگہداشت کر رہا تھا۔ مستعد وہاں نہ ہوتا تو خدا جانے وہ اس وقت کہاں ہوتی اور اسپر کیا گذرتی یہ خیال کر کے کانپنے لگی۔

اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھا تو ننھے خاں کو پاسانی پر مستعد پایا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آدمی شرک کی راہ سے آیا۔ لمبا کوٹ اور اونٹنی ٹوپی پہنے تھا۔ ایک خوجہ اُس کے سر پر تھا جس میں بساط خانہ کا معمولی سامان، بٹن۔ لیس موتی، مونگا اور صابون وغیرہ تھا۔ پھانک کے اندر آنا چاہتا تھا کہ پاسان نے روک دیا۔

”تم مجھے منع کرنے والے کون ہوتے ہو۔ میں مدت سے اس گھر میں سامان بیچتا ہوں، ہٹو اندر جانے دو“

”خبردار تم نے احاطہ میں قدم رکھا اور میں نے تمہاری گردن پائی“
 ”کیا تم پولیس کے سپاہی ہو جو اس طرح دھمکاتے ہو؟“
 ”خواہ میں پولیس کا سپاہی ہوں یا نہ ہوں لیکن تم یہاں نہیں آ سکتے“
 ہیلر بائی اور شیر جس برآمدہ میں آئیں بساطی کے سلام کیا لیکن انھوں نے اُسے پہچانا نہیں۔ شیریں بائی آگے بڑھی۔ بساطی نے کہا۔
 ”بائی جی، میں جھوٹی بائی صاحبہ کے لئے نیا سامان لایا ہوں۔“

یہ آدمی مجھے اندر نہیں آنے دیتا دیکھئے کیسی عموہیں ساری کے لائق میرے پاس میں۔“

”جاؤ اپنا راستہ لو۔ ہمیں کچھ نہیں چاہیئے۔ یہ بساطی یہاں پہلے بھی نہیں آیا۔“

بساطی غرایا۔ ”اچھا بانی جی۔ خفا کیوں ہوتی ہو۔ میں کوئی اور گھر دیکھ چکا۔“

یہ کہہ کر بساطی روانہ ہوا۔ پاسان اُسے دیکھتا رہا۔ احاطہ کے سرے پر۔ کوٹھی کی پشت کی طرف گیا تھا۔ بساطی اُس طرف کو ہولیا۔

نچھے خاں کوٹھی کی پشت کی طرف آیا جہاں اُس کا دوسرا ساتھی گنڈا پر موجود تھا۔ بساطی کے متعلق آہستہ آہستہ مشورہ کیا۔ ذرا دیر میں بساطی احاطہ کی پشت پر نظر آیا۔ دونوں آدمی ایک درخت کی آڑ میں ہو کر اُس کی نقل و حرکت دیکھنے لگے۔ احاطہ کی پشت پر ہندو کی بارہ تھی، لیکن کئی جگہ اُسکا سلسلہ ٹوٹ گیا تھا جہاں کانٹے رکھ دیے گئے تھے۔

بساطی نے چاروں طرف دیکھا ہر طرف خاموشی پا کر ایک جگہ سے کانٹے ہٹائے۔ اُس وقت اُسکا خواہ مخواہ اسکے پاس نہ تھا، دوڑتا ہوا احاطہ کے اندر آیا اور باغ کے گودام کی کوٹھری کی طرف رُخ کیا۔ دروازہ کھول کر اندر گیا۔ اس کوٹھری میں باغ میں پانی دینے کا پڑ، رتا۔ ہل اور کچھ ٹوٹا ہوا سامان ایک گوشہ میں مویشی کے لئے جری کا انبار تھا جسکے پیچھے چھبکر بیٹھ گیا۔ نچھے خاں نے اپنے ساتھی سے پچانک پر نگہداشت کرنے کے لئے

کما اور خود مالی کی کوٹھری کی طرف چلا۔ کوٹھری کے پٹ بند تھے مگر اندر کنڈی نہ تھی۔ دروازہ کھلا اور ہر طرف نظر ڈالی۔ چری کے انبار میں کچھ آہٹ ہوئی۔
 ننھے خاں آگے بڑھا اور ڈانٹ کر کہا۔

”نکل باہر، بد معاش“

بساطی تیزی کے ساتھ باہر نکلا لیکن ہاتھ میں پستول لئے ہوئے جسے
 ننھے خاں کی پیشانی کے سامنے کر کے بولا۔

”کو کیا کہتے ہو۔ تم ذرا بے ادب تھا اور کام تمام ہوا“

ننھے خاں نے اپنا ہاتھ جیب میں لکڑیوں نکالنا چاہا مگر بساطی نے کہا
 ”خبردار۔ ہاتھ سر کے اوپر اٹھاؤ ورنہ خیر کرتا ہوں۔“

ننھے خاں نے ہاتھ اوپر اٹھائے۔ بساطی نے پستول اور قریب کیا
 اور کہا۔

”دونوں ہاتھ ملا کر آگے بڑھاؤ“

اُن واحد میں ننھے خاں کے ہاتھ تسلی سے باندھ دئے گئے۔ بساطی نے
 ننھے خاں کے کوٹ کی جیب سے پستول نکالا اور اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اور تسلی
 کا ایک گولانکا لکر ننھے خاں کے ہاتھ پاؤں مضبوط جاکر گٹھ میں پکڑا ٹھونس دیا
 اور ایک گوشہ میں ڈھکیل کر اوپر سے چری ڈال دی۔

”اپنی جان کی خیر مناتے ہو تو خاموشی سے یہاں پڑے رہو۔“

باہر گیا۔ اور قبل اس کے کہ کوئی دیکھے کوٹھی کے غسل خانہ میں جا گھسنا
 ننھے خاں کا دوسرا ساتھی دُنگا پر فساد اُسے بساطی کے تعاقب میں روانہ

کر کے سامنے کی طرف آیا۔ برآمدہ میں شیریں بانی کو پایا اور اس سے کہا کہ بہتر موقع کو بھٹی کے صوبہ دروازے بند کر دے جائیں۔ میرا بانی بھی نیچے اترا آئی تھی۔
درگاہ پر شعلہ کو متردد پا کر پوچھا۔
”کیا کوئی خطرہ ہے؟“

”احتیاط بڑی چیز ہے۔ بانی صاحب کیا آپ پستول چلاتا جانتی ہیں؟“
میرا بانی نے اثبات میں جواب دیا۔ درگاہ پر شاد نے اپنی جیب سے پستول نکالا اور میرا بانی کو دیا۔

”یہ لیجئے۔“ ننھے خاں کو اتنی دیر ہو گئی۔ وہ آجاتا تو مجھے اطمینان ہوتا۔
دروازہ بند کر لیجئے میں پھاٹک پر جاتا ہوں۔“
پھاٹک پر پہنچے دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک موٹر کار بہت شور کرتی ہوئی آئی۔
کوٹھی کے قریب آکر ٹرک ٹرک کر چلنے لگی اور پھاٹک کے سامنے آکر انجن بند ہو گیا۔ شو فر گاڑی سے اُترا۔ اور ہنٹ کھول کر کچھ برزے دیکھنے لگا۔ درگاہ پر شاد آگے بڑھا اور پوچھا کہ کیا کچھ بگڑ گیا ہے۔ شو فر نے کہا کہ بجلی کا تار شاخہ خراب ہو گیا تھا۔ پھر انجن کے چلانے کا ہنڈل گاڑی سے نکالا اور دو ایک بار گھومایا مگر انجن نہ چلا۔ ہنڈل ہاتھ میں لیے پھر انجن کے برزے دیکھنے لگا۔ درگاہ پر شاد بھی برزے دیکھنے کو جھکا کہ ایک سخت شو فر نے لوہے کا ہنڈل درگاہ پر شاد کی کنپٹی پر مارا۔ درگاہ پر شاد گر پڑا۔ گاڑی میں دو آدمی اور کچھ فوراً اترے اور درگاہ پر شاد کو گاڑی میں ڈال لیا اور کھڑکیاں بند کر لیں اور شو فر پھاٹک کھول کر اندر آیا اور کوٹھی کی طرف بڑھا۔ مگر میرا بانی نے پستول کا فیر کیا اور گولی سنسانی

ہوئی اُسکے سر پر سے گزری شو فر کا۔
 ”بائی صاحب آپ کیا کرتی ہیں۔ ڈریسے نہیں۔ آپ سے دو باتیں
 کرنا چاہتا ہوں۔“

”خبردار تم آگے بڑھے اور میں نے فیر کیا۔ جاؤ باہر جاؤ پھر آؤ“
 شو فر سننے لگا۔ اور دوڑ کر مولسری کے درخت کی آڑ میں ہو گیا میرا بائی
 نے بلبلی دبائی اور ایک فیر اور کیا۔ اس مرتبہ اجنبی بال بلبل پگیا۔ اُسے
 خیریت اسی میں دیکھی کہ درختوں کی آڑ لیتا ہوا پھاٹک کے باہر گیا۔ دیکھا پڑا
 جو بالکل بہوش تھا اُسے گھاڑی نے نکال کر باہر پھینک دیا اور موٹر کو آگے بڑھا
 لے گیا۔ تھوڑی دور پر ٹرک مڑتی تھی اُس طرف گھوم گیا۔ خیریں بائی اور
 نرس سہمی ہوئی غلام گردش کے ایک گوشہ میں گھڑی تھیں۔ ہیرا بائی اُسکے
 پاس آئی اور کہا۔

”اب کوئی خطرہ نہیں، چلو بیچارہ بہوش پڑا ہے اُسے اُٹھا لائیں۔“

ماٹی جی ڈرنے کی کوئی بات نہیں بیسکے ہاتھ میں سپتول ہو۔
 تینوں عورتیں باہر گئیں اور مخمل تمام درگا پر شاد کو اُٹھا کر اندر لائیں
 اور دروازہ بند کر لیا۔ اُسے ایک کوچ پر لٹایا۔ خیریں بائی نے الماری سے
 صاف کپڑا نکالا۔ میرا بائی سپتول میز پر ڈال کر تسلیہ اور لوٹ بھر بائی لائی۔
 نرس نے جلد جلد غنم منہ سے دھویا اور پی پی باندھی۔ تینوں عورتیں دُعا
 کی مرہم ٹی میں مصروف تھیں اور اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہی
 تھیں، غنم غنم کی طرف آہٹے ہوئی مگر انھوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ وہ

ابھی مصروف ہی تھیں کہ بساطی جو غلخانہ میں چھپا ہوا تھا دبے پاؤں کمرے میں آیا اور آن واحد میں اُس نے کچل پلے ہو چکا جہاں ہیرا بانی نے اپنا پستول رکھا تھا پستول ہاتھ میں لیا۔ عورتیں سہم کر ایک کونہ میں ہو گئیں۔

”جان پیاری ہے تو خاموشی سے میرے حکم کی تعمیل کرو“
ہاتھ کے اشارہ سے آگے بڑھایا۔ غلام گردش میں لے گیا۔ یہاں سے زمین بالا کی منزل پر جانے کے لئے بنا تھا۔ زمین کے نیچے چھوٹی سی کوٹھری تھی شیوس بانی اور نرس کو اُس میں بند کر کے کنڈی لگا دی۔ ہیرا بانی کا کوٹ کھونٹ سے اتارا اور اُسے پہنایا اپنی کامیابی پر بہت مسرور تھا۔ اُسکے دوست موٹر لئے کوٹھی سے کچھ دیر اسکا انتظار کر رہے تھے۔

ہیرا بانی کا ہاتھ بکڑ کر پھینچتا ہوا صدر دروازہ پر لایا۔ دروازہ کھول کر قدم باہر رکھا تھا کہ ساری جان سے کانپنے لگا۔ مستود کو سامنے کھڑا دیکھ کر اُسکے حواس جاتے ہی مستود غرایا۔

”تم کتنے کی موت مزائیں چاہتے تو اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ“
بساطی نے تعمیل کی مستود نے اُسکے جیب سے دو پستول نکالے اور ہاتھ پشت پر لے جا کر تلی سے باندھ دیے۔ پھر ہیرا بانی کی طرف جو اس خلعت اور جوان آدمی کے استقلال اور ہمت پر تعجب کر رہی تھی، متوجہ ہوا۔

”بانی صاحب، معاف کیجئے۔ آپ کو ان بد معاشوں کے ہاتھ بہت ایذا پہونچی۔ مجھے انوس ہے کہ ہمارے دو آدمی جو یہاں تعینات کئے گئے تھے بیکار ثابت ہوئے اور آپ کو خطرہ میں چھوڑ کر کہیں چلے گئے“

”آپ کے آویں بالکل بے قصور ہیں اور اُن کی عقلی اور تنہی تربیت کے قابل ہے۔ درگاہِ شہزادہ اندر کمرے میں بیہوش پڑا ہے۔ دوسرے پر معلوم نہیں کیا گذری“

مستعود نے زچینہ کے نیچے کی کوٹھری سے تیسری بلالی اور نرس کو باہر نکالا اور بساطی کو اُس میں بند کر دیا پھر ملاقات کے کمرے میں پہنچا، درگاہِ شہزادہ کو ہوش آچلا تھا۔ مستعود کو دیکھ کر اُسٹھنے کی کوشش کی مگر ہاتھ کے اشارہ سے روک دیا۔ نرس نے زخم کی حالت بیان کی، زخم خطرناک نہ تھا مگر بے ہوش کرنے کے لئے کافی تھا۔

نئے خاں کی بابت معلوم ہوا کہ وہ بساطی کی بھگداشت کے لئے مالی کی کوٹھری کی طرف گیا تھا۔ مستعود نے نئے خاں کو چوری کے انبار کے نیچے پڑا پایا۔ جبکے چاؤ بھلا کے اُسکے ہاتھ پاؤں سے تلی کا جال کاٹا اور اُسے آزاد کیا۔ نئے خاں شرم سے پانی پانی ہوا جاتا تھا کہ ایک معمولی بساطی کے ہاتھ سے اتنی بڑی زک اٹھائی مستعود نے بجائے خفا ہوئے اس کے ساتھ بہرہ روی کا اظہار کیا۔

”شرمندہ ہونے کی کوئی بات نہیں، بہت جلد ان بد معاشوں سے تمہیں بدلہ لینے کا موقع ملے گا۔“

کوٹھی پر واپس آیا تو علاوہ پولیس کے دو سپاہیوں کے بہت سے آدمی ہیرا بائی کے منتول کی آواز سن کر احاطہ میں جمع ہو گئے۔

بساطی کو پولیس کے سپرد کیا۔ ہیرا بائی نے مختصر الفاظ میں حال بیان کیا اور کہا کہ جب کوئی وارد غیبی یہاں آئیگی اُسے پوسے واقعات بیان کئے جائیں گے۔

ہیرا بانی کو جوں ہی موقع ملا مسعود سے لالہ بنارس داس کی ملاقات کا ذکر کیا پھر ایک خاص انداز سے آنکھیں میچی کر کے کہا۔

”آپ کی ہیرا بانی اور امداد کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں“

”میں کسی شکر یہ کا مستحق نہیں، میں نے اپنا فرض ادا کیا“

”کیا آپ کے دوسرے ساتھی بھی آپ کی طرح بہادر اور نڈر ہیں؟“

”آپ کیوں شرمندہ کرتی ہیں، اس میں بہادری کی کیا بات ہو؟“

”آخر تم اپنے آپ کو ایسے خطرہ میں کیوں ڈالتے ہو؟“

”محض تفریح کیلئے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ ایسے بد معاشوں کو جو

قانون کی زد سے بیکر حرام کرتے ہیں کوئی سزا دینے والا ہونا چاہیے۔ ہم لوگوں نے دنیا کی تمام باتوں کو خلق کی خدمت کیلئے ترک کر دیا ہے، اس میں ہر ایک خطہ کا خوشی سے مقابلہ کرتے ہیں“

کیا تمہاری شادی نہیں ہوئی؟

اس سوال پر مسعود نے ہنسنے لگایا، گویا یہ ایسی بات تھی جو کبھی اسکے ذہن میں نہ آئی تھی۔

”یہ ایسا معاملہ ہے جس پر ابھی تک غور کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا۔ اب میں

رخصت ہوتا ہوں یہ بد معاش کچھ دقت تک یہاں قدم نہ رکھیں گے، کوئی بات ہو تو مجھے ٹیلیفون پر مطلع کرنا“

باب

آخری تہیہ

مستعد میرٹھ سے دہلی واپس گیا۔ راستہ میں بار بار میرٹھ کے سوال کا خیال کر کے مسکراتا تھا۔ گھر ہو چکر جلد جلد میرٹھ کے واقعات کنور مہاراج جنگ سے بیان کیے اور پھر کس قدر متروک ہو کر پوچھا۔

”آپ نے لاہ بنا رسی داس کی حفاظت کا کیا انتظام کیا ہے؟ ایسا نہ کہ کوٹھکے کی طرح سانپ اُسے بھی ڈس جائے۔“

”انپکڑ و قار حسین اُن کی کوٹھی پر گئے ہیں اور بکرم سنگھ کو ساتھ لے گئے ہیں۔“

”کیا پولیس اُن کی حفاظت کو کافی نہیں تھی جو بکرم سنگھ کی مدد کی ضرورت پیش آئی؟“

”اب تک انپکڑ و قار حسین سانپ کی طر سے اس قدر پریشان نہ تھے لیکن تازہ واقعات سے پولیس والوں کی موٹی عقل کو بھی معاملہ کی سنجیدگی کا احساس ہو چلا ہے۔ بکرم سنگھ کو سانپوں اور اُن کے زہر کے متعلق جو معلومات ہیں ممکن ہو کہ اُن سے مدد لی جاسکے۔ اور اگر بے خبری میں سانپ بنا رسی داس کو

حکم کرے تو بکرم سنگھ اُسکے فوری علاج معالجہ کے لئے وہاں موجود ہو گئے
مہراب جنگ نے دستاں میز سے اٹھائے اور چھڑی اٹھانے کیلئے
آگے بڑھا۔

مستعود نے کہا۔

”کیا آپ وائسرائے کے ساتھ لینچ کھانے جا رہے ہیں یا کسی الی ٹلک
سے ملاقات کا ارادہ ہے جو اس ٹھاٹھ کے کپڑے پہننے گئے ہیں؟“
”ان دونوں میں سے کوئی بات بھی نہیں۔ میں چند منٹ کے لئے مرزا
بلگرامی سے ملنا چاہتا ہوں“

”یہ کیسے! لیکن مرزا کا سانپ حملہ کر بیٹھا تو کیا ہوگا؟“
”اس کی مجھے پروا نہیں۔ علاوہ اُسکے بلگرامی کی یہ مجال نہیں کہ اپنے گھر پر
میرے ساتھ ایسا تزاؤ کر سکے، احتیاط کے خیال میں نے جو خط مرزا صاحب کو بھیجا
ہے وہ کاربن کاغذ کی نقل ہے تاکہ اُسے یہ معلوم رہے کہ اصل تحریر کہیں دوسری
جگہ محفوظ ہے اور اگر ضرورت ہو تو بطور شہادت اُسکے خلاف پیش ہو سکتی ہے، اگر
تم بڑی گاڑی پر مجھے جلد لے چلو تو مہربانی ہو؟“
دس منٹ میں مسعود ہاتھ منہ دھوا اور دوسرے کپڑے بدل کر موٹر دروازہ پر
لے آیا۔

”کنور صاحب، بہتر ہوتا کہ مرزا کے شریک کار رستم جی سے آپ دو دو
باتیں کر لیتے“

”رستم جی بھی وہاں موجود ہوگا۔ اُسے بھی میں نے لکھ بھیجا ہے۔ ان

بد معاشوں کو آخری بات بیچھ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہو
چند منٹ میں راستہ طے ہو گیا۔ بلگرامی بلندنگ کے پھاٹک پر مستود
گاڑی سے اُترا۔ دروازہ کھولا۔ مہراب جنگ برآمد ہوا۔ مستود نے تیز دار
نوکر دوں کی طرح ادب سے سلام کیا۔ مہراب جنگ زینہ پر چڑھ کر اوپر ہو چکا اور طلوع
کرائی۔ دو منٹ بھی انتظار نہ کرنا پڑا، مرزا کی نشست گاہ میں داخل ہوا۔

مرزا اپنے تخت پر حسب معمول گاڑ بیکھ لگائے بیٹھا تھا۔ دوکر سیاں تخت کے
قریب تھیں۔ رستم جی نفیس انگریزی کپڑے پہنے ہوئے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔
سگڑٹ منہ میں دبا لے مسکرا رہا تھا۔ مہراب جنگ کو دیکھ کر مرزا صاحب کھڑے
ہوئے اور تباک کے ساتھ خیر مقدم کیا۔

”کنور صاحب! میرے لئے یہ غیر معمولی عزت کا موقع ہو۔ ہم فقیروں کے
یہاں آپ جیسے رتبہ اور شہرت کے لوگ بہت کم آتے ہیں۔
مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر مہراب جنگ نے کچھ توجہ نہ کی اور کرسی
کھینچ کر بیٹھ گیا۔ دستانے اور چٹری تخت پر رکھے اور سنجیدگی سے کہا
”مرزا صاحب! معاف کیجئے میں اس وقت تکلف اور تصنع آمیز باتیں کہنے
کے لئے نہیں آیا ہوں۔“

رستم جی دوسری کرسی پر بیٹھ گیا اور دریافت کیا۔
”کہئے کنور صاحب! آپ رات تھیں گئے تھے یا نہیں؟ تماشہ
کیسا تھا؟“
”گیا ضرور تھا مگر میں باہر رہا۔ سُنتا ہوں کہ آپ بھی گئے تھے مگر دیر

میں پہنچے۔ آپ کن ہنسر و صاحبہ کلا بائی کو بھی تو شاید گئی تھیں؟ اُن کا کہا خیال ہے؟
 ”جی ہاں۔ وہ بیجاری بہت افسردہ ہے۔ اُسکے ساتھ مرزا صاحب
 کے اسکول کی نئی معلمہ بھی گئی تھی، مگر وہ وہاں سے اپنے کسی آشنا کے ساتھ
 چل دی اور اب تک واپس نہیں آئی۔ صورت کی ٹیکل، اچھا خاصہ پٹاخہ۔ اُسکے
 غائب ہو جانے پر تعجب نہیں۔ لیکن مرزا صاحب پریشان ہیں۔ اور مجھے اُسکی
 گمشدگی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں“

”بیشک اکل اُسے نہیں کہہ ہاں ملازمت کی، وہ یہاں تنہا تھی اور ایک
 طبع میری پسندوگی میں تھی، اس واقعہ پر مجھے سخت افسوس ہے۔ علاوہ اُسکے...“
 مرزا بلگرامی جملہ پورا بھی نہ کرنے پائے تھے کہ مرزا جنگ نے کہا۔
 ”اُسکے متعلق اب پریشان نہ ہو۔ وہ آرام کے ساتھ اپنے گھر میں ٹھہری اپنی
 پھوپھی کے پاس پہنچ گئی۔ اور یہ معلوم کر کے شاید آپ کو تعجب ہو گا کہ وہ ابھی تک
 وہاں موجود ہے۔ شاید آپ کے گروں نے آپ کو مطلع کر دیا ہو گا کہ وہ اُس کے
 یہاں واپس لانے میں ناکامیاب رہے۔“
 مرزا نے کسی قدر تعجب سے کہا۔

”کنور صاحب! کیا آپ میرے مُریدوں کو گروں کے نامناسب خطاب کا
 مستحق سمجھتے ہیں۔ فقیروں پر فقرے کنا اور اُنکی تحقیر کرنا اچھا نہیں“
 ”مرزا صاحب! اس فقیری اور پیری مریدی کے سوانگ کا ذکر میرے
 سامنے نہ کیجئے، میں آپ کے مریدوں کی حرکات سے واقف ہوں۔ وہ آپ ہی کا
 نو مُرید تھا جس نے گو کھلے کو بلکہ کے باغ میں آپ کے حیرت انگیز سانپ سے

کٹوا دیا۔ آپ کے مُردے میرے ایک عزیز دوست مسعود پر بھی وار کیا تھا مگر زخالی گیا۔ لیکن تم کب تک خلق خدا کو اپنے ظاہری زہد و تقویٰ کی مدد سے دھوکے میں ڈالے رکھو گے۔ اشتہاری صوفی اور تبلیغ کے جھوٹے سردار یہ تو جلد کہہ بیگنا آدمیوں کا خون کب تک چھپا رہے گا۔ یاد رکھو ایک دن آئے گا جب تمہاری پیری مریدی کام آئے گی نہ تمہارا سانپ سگرٹ کی ٹھنال سے نکل کر حملہ کر سکے گا اور تمہیں اپنے اعمال کی خاطر خواہ سزا ملیگی۔ آخر تم غیر فانی تو نہیں؟“

مرزا کا چہرہ غصہ سے لال ہو گیا۔ کوئی دوسرا ایسی بدزبانی کرتا تو غالباً و صحیح سلامت یہاں سے نہ جاتا لیکن اُسے ضبط سے کام لیا اور دریافت کیا۔

”کنور صاحب، آپ کو میری بابت بہت کچھ معلوم ہو“

”بیشک! میں تمہارے رگ و ریشہ سے واقف ہوں، تمہاری ہر ایک نقل و حرکت کی۔ مجھے خبر ہے۔ تمہاری اخباری اور اشتہاری ٹپل، تالیف اور تصنیف کا ڈھکوسلا، تبلیغ اور قومی کام خبی آڑ میں تم بڑے بڑے جرائم کے مرتکب ہوتے ہو مجھے معلوم ہیں۔ علاوہ ان باتوں کے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کس دن مرو گے اور دنیا تمہاری مجرمانہ زندگی سے کب پاک ہوگی“

مرزا غصہ سے بتیاب ہوا جاتا تھا۔ رستم جی کوئی مذاقہ فقرہ کہنا چاہتا تھا مگر مہر آب جنگ نے یہ الفاظ اس بنجیدگی سے کہے کہ وہ گھبرا گیا۔ مرزا نے دریافت کیا۔

”یوں کہنے کہ آپ کو خدائی کاموں میں بھی دخل ہو۔ موت اور زلیست خدا کے ہاتھ میں ہو۔ کیا آپ واقعی مجھے بتا سکتے ہیں کہ میں کب مرد ہوگا؟“

” بیشک! سنو اور زوب غور سے سنو! جس دن ہیرا بابی کو کوئی گزند پہنچا ،
اُس دن تمہارا خاتمہ ہے اور تمہارے ساتھ اُن سب لوگوں کا جو تمہارے شریک کار
ہیں۔“

”ستم جی آگے جھکا اور کسی قدر غصّہ سے کہا ۔
”آئندہ اس ملک میں کوئی قاعدہ اور قانون جاری ہے یا خدائی فوجداد
کا راج ہو؟“

”اس معاملہ میں تم مجھے ایسا قانون سمجھو جس کا نفاذ قانون قدرت
کی طرح اُٹل ہے۔“
”دیکھو میاں بہرام۔ میں تمہاری حقیقت سے واقف ہوں ، اپنے نام کو
اُٹا کر کے بجائے بہرام کے ہر آب جنگ کہتے ہو اور دنیا تمہیں نیپالی شہزادہ
سمجھتی ہو، مگر تم اصل میں دہلی کے شاطر قزاق ہو جس نے دنیا بھر کو لوٹا اور صد ہا
جرائم کئے۔ آخر تم بھی انسان ہو، غیر فانی نہیں ہو۔ بہتر ہو کہ تم اپنی توجہ کسی دھڑل
مبذطل کرو اور ہمارے سردار نہو۔ جاؤ اپنی خیر منادو۔“

”میں صرف ایک صورت میں اپنے آپ کو علیحدہ رکھ سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ تم
ہیرا بابی کو اُسکے حال پر چھوڑ دو۔ تم کسی چیز کی تلاش میں ہو جے تم بغیر ہیرا بابی
کے نہیں پاسکتے۔ میں خود نہیں جانتا کہ معاملہ کیا ہے۔ صرف یہ کہہ سکتا ہوں
کہ تم لوگ کسی اہم بات کے پیچھے پڑے ہو جسکی کامیابی پر تم بالامال ہو جاؤ گے

لے دیکھو بہرام کی گرفتاری۔ مرتبہ ظفر عمر

اسلئے تم اس میاکی سے بیگناہ آدمیوں کو ہلاک کر رہے ہو۔ لیکن یاد رکھو انتقام بہت سخت ہوگا۔

کرسی سے کھڑا ہوا اور خمیدگی سے کہا۔

”معلوم نہیں کہ پولیس کو اس معاملہ میں کہاں تک علم ہے، لیکن آج نہیں تو کل پولیس والے تمہاری جرائم پیشہ زندگی کا خاتمہ کر دیں گے۔ اور وہ دن دور نہیں کہ تم سولی پر لٹکے ہو گے۔ میں صرف یہ کہنے آیا تھا کہ اگر تم ہیرا بائی سے کوئی توفیق نہ کرو گے تو میں اور میرے دوست بالکل علحدہ ہو جائیں گے۔ اگر تم ہیرا بائی کے بغیر اس دولت پر قابض ہو سکتے ہو جس کی تمہیں وجہن لگی ہے تو یقین کر دو کہ ہماری طرف سے تمہاری کوئی مخالفت نہ ہوگی۔“

یہ کہہ کر جنگ بہادر نے اپنی چھتری اور دستانے اٹھائے اور دروازہ کھٹک چلا۔ رستم جی نے قہقہہ لگایا اور کہا

”میںاں بہرام، اپنی اہلیت کو نہ بھولو، خیریت اسی میں ہے کہ ہمارے پیچھے نہ پڑو ورنہ“

جملہ پورا بھی نہ کرنے پایا تھا کہ مہر آب جنگ نے اس کی طرف رخ کیا اور ہفتہ سے کہا۔

”رستم جی، خوب یاد رکھو، وہ دن قریب ہے کہ تم سولی پر لٹکے ہو گے یا زباؤ قریب قریب اس جگہ کے بلگرامی کا سانپ تمہیں ڈس لیگا۔“

آخری فقرہ سنکر رستم جی پر خوف طاری ہو گیا۔ پتے کی طرح زرنے لگا۔ مہر آب جنگ زینہ اتر کر پیچھے پھونچا۔ اور موٹر کے لئے اشارہ کیا۔ مستعد موٹر لیکر

دروازہ پر آیا۔ دربان کو دیکھتے ہی اٹھ اٹھاتے دیکھ کر چخا۔

”جلد سوار ہو“

مہربان جنگ فوراً موٹر میں کود پڑا۔ بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ مستود نے موٹر کو تیزی سے آگے بڑھایا اسی کے ساتھ زور کا دھماکا ہوا، موٹر کی چھت کا ایک گوشہ کسی سخت چیز کے لگنے سے ٹوٹ گیا۔ مستود نے موٹر کو روکا بعد کو دیکھ کر دروازہ کی طرف واپس گیا مگر کسی کو وہاں موجود نہ پایا۔ دونوں دوستوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ بال بال بچ گئے۔ پتھر کا چھجھر جس پر تعمیر کے لئے اینٹ اور چونہ رکھا ہوا تھا نیچے گر گیا۔ اگر مستود تیزی کے ساتھ موٹر آگے نہ بڑھاتا تو خدائی فوجداروں کا خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ ایک سپاہی پولیس کا موقع پر آ گیا اور اس حادثہ کی غائمت پر غور کرنے لگا۔

”معلوم ہوتا ہے کہ مہماروں نے بہت مصلحتاً تجھے پر رکھ دیا۔ چھجھر پڑنا اور بوسیدہ اٹھا اتفاق سے گر گیا۔“

لیکن مستود اور اُس کے دوست کو احساس تھا کہ یہ کوئی اتفاقی بات نہ تھی، بلکہ اُن کے ہلاک کرنے کیلئے یہ انتظام کیا گیا تھا۔ دروازہ کے چوکھٹ کے پاس ایک تسلی تلکی ہوئی تھی جس کا سلسلہ ٹوٹے ہوئے چھجھے سے ملا دیا گیا تھا۔ جو دربان وہاں کھڑا تھا اُس نے اس رسی کو کھینچ کر چھجھر گرا دیا۔

راستہ خاموشی سے طے ہوا، مستود کو اس حادثہ نے ہوشیار کر دیا تھا شب کا کھانا کھانے کے بعد مستود کسی کام کا بہانہ کر کے باہر گیا۔ اور رات کے ۳ بجے تک واپس نہ آیا۔ واپسی کے وقت بہت مسرور تھا۔ جنگت بہادر نے کہا۔

”مستود آج تم نے میری جان بچائی۔ تم موٹر کو تیزی سے نہ بڑھاتے تو

خاتمہ تھا

”جی ہاں۔ سانپ کا علاج اس قدر مشکل نہیں جس قدر ایسے اتفاقی حادثوں کا
سہ پہر کو ہماری موٹر حادثہ سے بچ گئی مگر شب کو جو حادثہ پیش آیا اُس سے بگرامی کا
دفتر محفوظ نہ رہ سکا“

زور سے قہقہہ لگایا اور کھڑکی کی طرف اشارہ کیا جنگ بھادر نے گردن باہر
نکال کر دیکھا۔ چاندنی چوک میں جہاں بگرامی بلڈنگ واقع تھی آگ کے شعلے
اُٹھ رہے تھے۔

مستعد کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

”تم بڑے شریر ہو“

”اُس میں شرارت کی کیا بات ہے۔ میں آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت

کے بدلے دانت کے قانون پر ایمان رکھتا ہوں۔ انتقام قانون قدرت کے عین مطابق
ہے۔ کیا بگرامی کے دفتر کے جلنے کا آپ کو افسوس ہو؟“

”مطلق نہیں“

باب

مرزا کے مرید

ایک زمانہ میں مرزا بلگرامی کو کیمیا کے تجربات میں بڑا شغف تھا۔ دولت مند ہونے کے خواہش نے اُسے اولاً کیمیا کی طرف مائل کیا۔ عربی اور فارسی زبان میں دو ایک رسالے بھی اُسکی نظر سے گزرے جنہیں دھاتوں کے قلبِ ماہیت پر پُرانے زمانے کے اعتقاد کے مطابق بحث کی گئی تھی۔ مرزا نے اپنے وقت کا بڑا حتمہ سید سے چاندی اور تانبے سے سونا بنانے کے خطبہ میں صرف کیا۔ دو ایک مرتبہ بعض چیزوں کی رنگت اور وزن میں تبدیلی بھی ہو گئی اور اگرچہ مرزا نے دولت پیدا کرنے کے دو سکہ ذرائع اختیار کر لئے تھے، اُسکے ابتدائی شوق میں کمی نہ ہوئی اور اُسے یقین تھا کہ کسی دن کیمیائی عمل سے سونا بنانے میں کامیاب ہو جائیگا۔ انہیں تجربات کے سلسلے میں اُسنے زود اثر زہر بنانا سیکھا اور مدتوں تجربہ کر کے سانپ کے زہر کو خاص ترکیب سے چھوٹی چھوٹی گولیوں میں منتقل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسکے بعد دوسرے اجزاء کی آمیزش سے اس زہر قاتل کی گولیوں کو ایسا بنا لیا کہ جسم انسان سے مس کرنے ہی فوراً کچل کر مسامات کے راستہ زہر آن واحد میں خون میں سرایت کر جاتا تھا۔ زہر کی

گولیاں ایک کمائی دار نکلی میں کھی جاتی تھیں اور اُسے بالکل سگرٹ کی شکل کا بنایا جاتا تھا۔ اُسکے فدائی اس خوفناک سگرٹ سے مرزا کے دشمنوں کو قتل کرتے تھے اور دنیا سمجھتی تھی کہ سانپ کے کاٹنے سے موت واقع ہوئی ہے۔

مرزا نے اپنی کوٹھی میں ایک کمرہ کیمیائی تجربات کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور جب معمولی مشاغل سے فرصت ہوتی کچھ وقت یہاں ضرور صرف کرتا تھا آج بھی مرزا ان تجربات میں مشغول تھا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور رستم جی نے کہا۔ ”کچھ معلوم بھی ہے۔ بلگرامی بلڈنگ چاندنی چوک میں بڑی زور کی آگ لگی ہے، اور بظاہر تمام عمارت اور سامان جل چکا ہو۔“

”آگ بجھانے کا انجن وہاں پہنچایا نہیں؟“

”نہیں۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کسی نے غلط ٹیلیفون دے کر یہاں آگ مشتعل ہونے سے پہلے انجن کو نئی دہلی میں طلب کیا۔ معلوم ہوتا ہو کہ خدائی فوجداروں نے آج سہ پہر کے حادثہ کا بدلہ لیا ہو۔“

”مکن ہے، لیکن ایسے حادثوں کو بھول جاؤ۔ جو بڑا کام اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہو، اُسکی طرف تمام توجہ مبذول کرنا لازم ہے۔ بیشک جہرام اور اُسکے ساتھی بظاہر دہ ہو گئے ہیں۔ ان کا میں فوراً بندوبست کرتا ہوں۔“

ٹیلیفون کا آلہ میز پر رکھا۔ اپنے کیمیا خانہ کو بند کیا۔ زمینہ چڑھ کر اور پر گیا جہاں اُسکے فدائی بندہ اور تمولارہتے تھے، یہ دونوں اکثر جھنگ یا اینون سکس نشہ کی حالت میں ایک دوسرے سے لڑا کرتے تھے۔ مرزا نے کمرہ کھولا تو دونوں کو گھم زمین پر پڑ پایا۔ تاش کے پتے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ مرزا کو دیکھتے ہی

دونوں علیحدہ ہو گئے اور خوف سے کانپنے لگے مولانے کہا
 مرزا صاحب، بندہ بڑا بے ایمان ہو دھوکہ دے کر اُسے میرا دہریہ جیت لیا
 ہے۔ یہ دیکھئے بنے ہوئے پتے آستین میں رکھتا ہے۔ میں اسے زندہ
 نہ چھوڑوں گا۔“

بندہ نے مولانا کو غصہ سے دیکھا اور وہ اپنے مرشد کی طرف متوجہ ہوا۔
 حضور! اس جھوٹے بنگالی کو یہاں سے نکال لے۔ ہر وقت نشہ میں تھا کہ
 کسی نیک ہاتھ سے مارا جائیگا۔“
 مرزا نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور بندہ سے کہا
 ”خاموش، میرے کمرے میں چلا اور انتظار کرو۔“

تھوڑی دیر میں مرزا اپنی نشست گاہ میں واپس آیا تو بندہ دکر ادب کے
 ساتھ کھڑا پایا۔ بجائے ناراض ہونے کے مرزا نے نرمی سے کہا۔
 ”بندہ۔ تم اس بنگالی کی بات کا خیال نہ کرو۔ تم بڑے کار گذار مُردہ ہو۔
 مجھے افسوس ہو کہ کل مستود پر تمہارا در خالی گیا۔ لیکن یہ وہی آدمی ہو جنہے تمہیں
 کوڑوں سے مارا تھا۔ وہ پولیس سے ملکر تمہارے گرفتار کرانے کی فکر میں ہے۔ دو
 مرتبہ پولیس تمہاری تلاش میں یہاں پہنچی ہے مگر خانہ میں تم کب تک چھپے ہو گے
 بہتر ہو گا کہ مستود کا خاتمہ جلد ہو جائے۔ تمہیں ایک موقع پھر دیتا ہوں اور تمہاری
 ہمت اور ہوشیاری کا امتحان کرتا ہوں۔ رات کو مستود لالہ بنارس سی داس کی کوٹھی
 میں ملیگا۔ وہاں ہمارے سب آدمی جائیں گے اور حسب ہدایت کام کریں گے۔ لیکن تم
 صرف مستود پر تعینات کیے جانے ہو، جس وقت موقع پادُ وار کرو۔ ابھر تبہ

غلطی نہ ہو۔ جاؤ پنجابیوں کا بھیس بد لکر یہاں واپس آؤ۔
 بندہ نے سلام کیا اور باہر گیا۔ مرزا نے گھنٹی بجائی اور مولا کمرہ میں داخل ہوا
 ”مولا مجھے تمہارے ساتھ اتفاق ہے۔ بندہ بڑا چالاک اور بے ایمان ہے۔ کل
 اُسے مستود پر وار کیا اور ناکامیاب رہا۔ گھاسنہ اور بھنگ پیتے پیتے اُسکے حواس
 ٹھکانے نہیں رہے اب اسکا راہ سے ہٹجانا مناسب ہے۔ کیا واقعی تم اُسے زندہ
 نہیں دیکھ سکتے؟“

”حضور اجازت دیں تو میں آج ہی اُسکا کام تمام کر دوں۔“
 ”ٹھہرو۔ جلدی کی ضرورت نہیں۔ تمہیں موقع دیا جائیگا۔ رات کو میں بندہ
 کو ایک ضروری کام سے بھیجوں گا تم بھی وہاں جاؤ گے۔ پہلے اُسے وہ کام کرنے
 دو، اُسکے بعد اجازت ہے تم اپنا بدلہ لو۔ اور وار کرو۔ میں نہیں چاہتا کہ آج کل
 ہم کے بعد بندہ یہاں واپس آئے۔“

جسوقت یہ باتیں ہو رہی تھیں بندہ کھڑکی سے کان لگا لے برآمدہ میں موجود
 تھا اُسے اپنی منزلے موت کے حکم کو دلچسپی سے سنا اور دل میں کچھ فیصلہ کیا اور
 اپنے کمرے میں تبدیل لباس کے لئے چلا گیا۔

باب ۱۹

سانپ کا حملہ

لالہ بنارسی داس دہلی کے متمول کاروباری آدمیوں میں شمار کئے جاتے ہیں وہ دن کا زیادہ حصہ دہلی میں صرف کرتے ہیں اور جو کچھ کام ہوتا ہے دفتر میں انجام دیتے ہیں، دوسرے نو دولت آدمیوں کی طرح نہ انھیں کبھی آنریری محبٹرٹی کا شوق ہوتا نہ کسی خطاب کی خواہش، نہ سیاسی اور نہ فرقہ وارانہ لیڈری کا کبھی خط ہوا۔ اپنے کاروبار سے جو وقت ملتا ہو خاموشی کے ساتھ اپنی خوبصورت کوٹھی واقع صدر دہلی میں صرف کرتے ہیں اور کتابوں، تصویروں اور اخبارات سے دل بہلاتی ہیں۔

بنارسی داس بدلتوں مبینی اور کرآچی میں ہاتھا اور مرتھی اور گجراتی زبان سے بجنی واقع تھا۔ غالباً ممبئی کے قیام میں گو کھلے سے ملاقات ہوتی تھی جو دوستی کی حد کو پہنچ گئی اور دہلی آنے کے بعد بھی اُسکے تعلقات قائم اور خط و کتابت جاری رہی جو مرتھی زبان میں ہوتی تھی۔

میرا بائی سے ملاقات کرنے کے بعد لالہ بنارسی داس نے کنور مہراب جنگ سے مشورہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ میرٹھ سے واپسی پر بندریہ ٹیلیفون مہراب جنگ

کو شب کے کھانے پر مدعو کیا اور مستود کو بھی بلایا گیا۔ مہراب جنگ کے کہنے سے انسپکٹر وقار حسین اور کنور بکرم سنگھ کو بھی مدعو کیا گیا۔ لالہ بنارس داس محتاط اور دوراندیش آدمی تھا اور خیال کیا کہ ان اجنبی آدمیوں پر ایسے اہم معاملہ میں بہرہ کرنا مناسب نہیں ہو۔ اسلئے اُس نے اپنے کاروباری وکیل کجلی دیانت اور رازداری پر اُسے بھروسہ تھا، شام کے کھانے پر بلا بھیجا۔

کوٹھی شاہراہ سے کچھ فاصلہ پر ایک وسیع باغ کے وسط میں واقع تھی مستود کچھ دیر بعد پہنچا۔ پھاٹک پر ایک آدمی کو ٹھٹھٹھایا۔ یہ تبدیل لباس میں انسپکٹر وقار حسین کا ماتحت تھا۔ اُس سے معلوم ہوا کہ مہراب جنگ اور وقار حسین آگئے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جھپٹنا ہو جانے کے بعد کئی مشتبہ آدمی کو ٹھٹھی کے ارد گرد نظر آئے۔

مستود کو ٹھٹھی میں داخل ہوا تو مہراب جنگ اور وقار حسین کو اپنے میزبان سے گفتگو کرتے پایا۔

”لالہ صاحب، معاف کیجئے مجھے آنے میں چند منٹ کی دیر ہو گئی۔ بڑا کوئی پر میلہ کی وجہ سے ہجوم تھا اور میں، اسمیل سے زیادہ اپنی موٹر کار نہ چلا سکا۔“ آپ کو کچھ دیر نہیں ہوئی، تعجب تو یہ ہو کہ وکیل صاحب ابھی نہیں آئے۔ کاشف علی صاحب عام طور پر اپنے وقت کے بڑے پابند ہیں معلوم نہیں کیا ہوا انھیں آدھ گھنٹہ پہلے یہاں آ جانا چاہئے تھا۔ ٹیلیفون دیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ گھر سے عرصہ ہوا روانہ ہو چکے ہیں۔“ ایک ملازم اندر آیا اور اطلاع کی۔

”حضرت ابھی ٹیلیفون پر کسی نے وکیل صاحب کے مکان سے کہا ہے کہ انھیں کوئی حادثہ پیش آیا۔“

ہر آب جنگ اور وقار حسین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دل میں سمجھا کہ یہ حادثہ اتفاقی بات نہ تھی بلکہ مرزا کے آدمیوں کی کارستانی تھی تاکہ وکیل صاحب یہاں نہ پہنچ سکیں۔ بنارس سی داس اس خبر کو سنکر بہت متروہ ہوا۔

”صاف کیجئے، میں خود ٹیلیفون پر جا کر دریافت کرتا ہوں کہ وکیل صاحب کی کیا حالت ہے۔“

یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں ٹیلیفون کے پاس گیا۔

مسعود وقار حسین کے پاس آیا اور دریافت کیا۔

”کیئے انٹیکٹر صاحب، لالہ صاحب آپ کو وہ کاغذات دکھائے یا نہیں۔“

”یا ابھی نہیں، انھیں اپنے وکیل کی آمد کا انتظار تھا۔ زبانی التبت یہ بتایا کہ گو کھلے سے وہ مدت سے واقف ہے۔ بنارس سی داس کی طرح گو کھلے کو بھی آثار قدیمہ کے ساتھ دلچسپی تھی۔ سانچی ٹپ کے دیکھنے کے لئے بھوپال گیا تھا۔ وہاں جا کر فریدپور جی کی موت اور اسکے حالات زندگی سے آگاہی ہوئی۔ اس کے متعلق اس نے کئی خطوط لکھے۔ اور اسکے راز کو معلوم کر لیا۔ چونکہ اس معاملہ میں کسی رازدار کی ضرورت تھی جو بوقت ضرورت ہر طرح کی مدد بھی کر سکے، اسلئے بنارس سی داس سے اس معاملہ کے متعلق خط و کتابت جاری تھی۔“

”لیکن وہ تحریر بھی دکھائی یا نہیں جس کا تعلق ہیراپاپی سے ہو۔“

”نہیں، یہ سب کاغذات اس آہنی صندوق میں ہیں جو دفتر کے ایک گوشہ

میں نصب ہو۔ وکیل صاحب کے انتظار میں ابھی تک اس کس کو نہیں کھولا گیا۔
”معلوم ہوتا ہو کہ آج یہاں حملہ سخت ہوگا“

”اندیشہ تو مجھے بھی معلوم تھا ہو۔ لیکن میں نے کافی آدمیوں کا انتظام کیا ہو، آج رات کو کھانا کھانے کے بعد لالہ صاحب کے آدمی تھپڑ دیکھنے جائیں گے۔ ایک لاری وہاں لے جانے کے لئے آئیگی۔ اُس میں میرے آدمی پوخبندہ طور پر مکان میں داخل ہو جائیں گے۔ مزار کے حوالہ سے باہر گھوم رہے ہیں اُنہیں معلوم بھی نہ ہوگا“

”معلوم ہوتا ہو کہ نوکر دس کو تھپڑ بھیجنے کا انتظام مزار کی اشارہ پر ہوا ہے تاکہ لالہ صاحب مکان میں تنہا ہوں اور اُنکا خاتمہ کر دیا جائے اور کچا خدات چورائے جائیں“
”آپ کی رائے صحیح ہو۔ مزار معمولی نقل کا آدمی ہے۔ اُمید ہے کہ لالہ صاحب اپنے آدمیوں کو تھپڑ جانے دینگے اور میدان ہمارے لئے صاف ملے گا۔“

لالہ بنارسی داس واپس آئے اور اُس حادثہ کی جو وکیل صاحب کو پیش آیا تفصیل بیان کی۔ وکیل صاحب تیزی سے موٹر بچلائے ہوئے یہاں آ رہے تھے کہ ایک موٹر کے قریب سڑک کے درخت کی شاخ گر پڑی اور وکیل صاحب کا موٹر الٹ گیا۔

سعود نے ہمدردی سے کہا

”معلوم ہوتا ہے آج کل حادثات کی کثرت ہے۔ کل ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا اور ہم بال بال بچے۔ اُمید ہے کہ وکیل صاحب کے زیادہ چوٹ نہیں آئی“

”بڑی خیریت ہوئی موٹر کا ٹپ گرا ہوا تھا اور وکیل صاحب دور جا کر گرے ہوئے کے نیچے دبے نہیں۔ اس وقت اسپتال میں ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد گھر چلے جائینگے آئیے کھانا تیا رہے۔“

کھانے کا کمرہ روشنی سے منور تھا۔ لالہ بنارس داس کے مہمان بیٹھ گئے۔ مسعود نے اپنے لئے ایسی نشست پسند کی جہاں سے کھڑکی کے باہر باغیچہ نظر آتا تھا۔ بیٹھنے سے پہلے کھڑکی کھولی۔ اور حبیب سے کسی چیز کے دانے نکال کر براہ میں ڈال دیے۔ اور اطمینان سے آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کھانا کھاتے وقت بار بار اس کی نظر باغیچہ کی طرف جاتی تھی۔ کھانا خاتمہ کے قریب تھا کہ کوئی چیز چٹک ہوئی۔ مسعود کرسی سے اٹھا اور کھڑکی کی طرف لپٹا۔ ذرا سی دیر میں آدھیں پہنچا لیکن وہاں کسی کو نہ پایا۔ برآمدہ کے نیچے پھولوں کی کیاری تھی اُس میں جوتے کے تازہ نشان پائے۔ انسپکٹر وقار حسین بھی اُسکے پاس پہنچ گیا۔ اور دونوں آدمی سامنے کے چمن کی طرف بڑھے جس میں گلاب اور چینیلی کے درخت ہر طرف لگے ہوئے تھے۔ اندھیرے میں کوئی شخص ایک تھالے کی آڑ سے احاطہ کی طرف دوڑتا ہوا معلوم ہوا۔ حبیب سے بیتول نکال کر فرمایا مگر بظاہر نشانہ خالی گیا۔ دونوں آدمی کوٹھی میں واپس گئے۔ برآمدہ میں مسعود کھڑکی کے نیچے جھککا اور جودانے اُسے وہاں بکھرے تھے اُنھیں سمیٹنے لگا۔

”انسپکٹر صاحب، آپ نے کبھی ان جا پانی پٹاخوں کا استعمال کیا ہے یا نہیں، یہ بڑے کام کے ہیں۔ دو ایک بار ان کی وجہ سے میری جان بچ گئی۔ جب آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ دشمن سوتے وقت آپ کے ہلاک کرنے کی

فکر میں ہے تو ان ننھے ننھے ٹپاخوں کو خوبگاہ میں چھپرک لیجئے جس وقت پرکے نیچے کوئی دانہ اُسے گا آواز ہوگی۔ ایک مرتبہ تو دشمن چھری سلے ہوئے سر پٹنگ کے قریب ہی آگیا تھا کہ آواز ہوئی اور میری آنکھ کھل گئی۔
”اور اُس حملہ کرنے والے کا کیا حشر ہوگا؟“

”یہ نہ پوچھئے، شاید مرزا بگراسی یا کوئی اور مولوی اسکا جواب لیکے اُنکے نزدیک قافلہ اسوقت دوزخ میں ہو گا۔ مگر میں اسکا قابل نہیں دوزخ میں ہوا بہشت میں ان چھوٹے چھوٹے ٹپاخوں کی بدلت ایک خطرناک دشمن میری اہ سے ہمیشہ کیلئے ہٹ گیا۔ پھر دونوں نے آہستہ آہستہ کچھ مشورہ کیا اور صدر دروازہ کی طرف گئے جہاں پستول کی آواز سنکر لالہ بنارس سی داسس اور کنور بکرم سنگھ آگئے تھے لالہ صاحب نے پوچھا۔

”میں نے فزکس آواز سنی کیا آپ نے پستول چلایا تھا؟“
”جی ہاں۔ کوئی شخص اندھیرے میں آپ کے نفیس گلاب کے پھول چرانے آیا تھا، میں نے اُسے جھکایا۔ لالہ صاحب اگر آپ چند منٹ کیلئے اندر تشریف لائیں تو مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔“

تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور بکرم سنگھ اور وقار حسین کو برساتی کے قریب کھڑا پایا۔ انسپکٹر کے ہاتھ میں چھوٹا سا بیگ تھا۔
”مستعد نے دریافت کیا۔

”انسپکٹر صاحب کیا آپ جا رہے ہیں؟“
”جی ہاں۔ تکلیف کر کے کسی آدمی سے کہیے کہ میرا موٹر لے آئے۔“

مستود غلام گردش میں چلا گیا تو بکرم سنگھ نے اپنے تعجب کا اظہار کیا اور انسپکٹر پولیس کے کہا

”افسوس ہے کہ آپ ایسے خطرہ کے وقت یہاں سے جا رہے ہیں آپ کو ٹھہرنا چاہیے۔“

”کنور صاحب، میں یہاں صرف کھانا کھانے آیا تھا، اب زیادہ ٹھہرنا اپنے مہمان کو تکلیف دینا ہے۔ وہ سویرے سوئے کے عادی ہیں۔ علاوہ اسکے مجھے اور ضروری کام ہیں۔“

بکرم سنگھ کو افسر پولیس کی اس لاپرواہی پر غصہ آیا۔
”لیکن آپ کو اپنے میزبان کی جان کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔ آخر آپ پولیس ٹالے ہیں، خطرہ کے وقت یہ لوگ ہمیشہ دور رہتے ہیں۔“

اتنے میں موٹر آگیا اور مستود بکھی کوٹھی سے برآمد ہوا۔
انسپکٹر نے دونوں آدمیوں سے مصافحہ کیا اور خوف کے پاس بٹھ کر زور سے کہا

”پہلے کو توالی چلو، وہاں کچھ کام ہے۔“
موٹر روانہ ہو گیا۔ بکرم سنگھ کو انسپکٹر کی اس بُزدلانہ حرکت پر سخت غصہ تھا۔

لال بنارس داس کے تمام ملازم کھانا کھا کر تھک چکے تھے لالے تیار تھے اور موٹر لاری کے انتظار میں برساتی میں جمع ہو گئے۔ لالہ صاحب کے خدمتگار کو کچھ پس و پیش تھا کہ اپنے آقا کو تنہا چھوڑ کر دو تین مہمان ابھی نشست نہیں ہوئے

تھے، تفریح کے لئے باہر جانا مناسب نہیں ہو لیکن مستعود نے اصرار کیا اور کہا کہ تماشہ بہت عمدہ ہے مدت سے ایسا تماشہ دہلی میں نہیں ہوا۔ کھانا ہو چکا تھا اور لالہ صاحب کے سونے تک مستعود وہاں موجود رہیگا۔ خدشہ گار کو اطمینان ہو گیا اتنے میں ایک موٹر لاری آئی لیکن بجائے برساتی کے باورچی خانہ کی طرف چلی گئی۔ مستعود نے کہا۔

”لاری والا غلطی سے مکان کی پشت پر چلا گیا۔ تم لوگ یہاں ٹھہرو میں لاری کو برساتی میں بھیجتا ہوں“

غلام گردش میں ہو کر پشت پہنچا اور چند منٹ میں واپس آ گیا عین اُسی وقت لاری برساتی میں آئی اور سب ملازم خوش خوش بیٹھ گئے، لاری باہر چلی گئی۔

کنیز کبرم سنگھ کو تعجب تھا کہ پولیس والوں کی طرح ملازم بھی لالہ بنارسی داس کو خطہ کی حالت میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ مستعود نے کہا۔

”کنور صاحب، آپ کا غصہ بالکل بجا ہے۔ آئیے باغ میں ٹہلیں ٹھنڈی ہوا ہے حملہ شاید دیر میں شروع ہوگا“

لیکن مستعود کا اندازہ غلط تھا۔ دونوں آدمی بلخ کی روش پر چند قدم گئے تھے کہ کبرم سنگھ بیکار ایک لڑکھڑایا اور گرا جاتا تھا کہ مستعود نے اُس کی ٹمر میں ہاتھ ڈالا اور بچھالا۔

”اُن بغضب ہوا۔ مجھے جلد اندر لے چلو“

مستعود کبرم سنگھ کو اندر لایا اور دروازہ بند کر کے دفتر کے کمرے میں لجا کر ایک

آرام کرسی پر بٹھایا۔ بکرم سنگھ کے کمال پر سُرخ نشان تھا اور درد سے کانپ رہا تھا۔
 ”اُن! سانپ نے مجھے مارا کاٹا۔ کبھی ایسی تکلیف نہیں ہوئی۔“

”خدا کا شکر کرو۔ تمہارے بجائے کوئی اور ہوتا تو اتنی دیر زندہ نہ رہتا۔“

مستعود نے برنی گھنٹی کے بٹن پر ہاتھ رکھا بکرم سنگھ نے کہا
 ”گھنٹی بجانے سے کیا فائدہ سب نوکر تھپڑ چلے گئے یہاں کون ہے آج؟“
 لیکن اُنکی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ذرا سی دیر میں مہراب جنگ، اسٹیکٹر
 وقار حسین اور اُسکے دس بارہ سپاہی دوڑتے ہوئے کمرہ میں آئے۔ مستعود نے کہا
 ”یہ سب لوگ موٹر لاری میں بٹھ کر یہاں آئے۔ لاری کے منگالنے کا صرف
 یہی نشانہ تھا کہ نوکر باہر چلے جائیں بلکہ پولیس والے پوشیدہ طور پر یہاں آجائیں۔
 اسٹیکٹر وقار حسین کچھ دیر موٹر میں گئے اور پھر وہ بھی اس لاری میں چھپ کر یہاں
 آ گئے۔“

”دو اور لالہ بنارسی داس کہاں ہیں؟“

”وہ اُس موٹر میں جسپر وقار حسین سوار ہو کر باہر گئے تھے پھپکر چلے
 گئے۔ اور اس وقت شہر میں مہل گئے۔ اُن کی جان کے لئے بڑا خطرہ تھا یہاں
 رہنا مناسب نہ تھا۔“

”تم لوگ کمال کے آدمی ہو۔“

”اُسکے گال کا نشان بڑھتا جاتا تھا اور سیاہی مائل ہو گیا۔ اُس نے اجنبی سے
 ایک ڈرمیہ نکالی اور چپکی بھر دو نکال کے گال پر ملی۔

”یہ دوا سانپ کے زہر کے لئے زباق کا کام دیتی ہے لیکن سانپ کے

زہر کا اثر مجھ پر طلق نہیں ہوتا۔ ہزار سانپ کا زہر ملا کر انسانی جسم میں بھر جائے
 اُس وقت بھی یہ تکلیف نہیں ہو سکتی۔ یہ سانپ نہیں تھا کوئی اور شیطان خبر تھی
 ”خوش قسمتی آپکے زہر کا اثر نہیں ہوتا۔ بظاہر یہ وار مجھ پر کیا گیا تھا بندہ
 کا یہ دوسرا حملہ تھا جو خالی گنبد آپ سب خاموشی کے ساتھ یہاں ٹھہرے۔ میں اوپر کے
 کمرے میں جا کر دیکھتا ہوں کہ باہر کیا ہو رہا ہے اور حملہ کس طرف سے ہوتا ہے“
 مستعد لالہ بنارس داس کے خوابگاہ میں جو دوسری منزل پر تھا گیا۔ اکی
 کھڑکی شام سے کھلی ہوئی تھی۔ کمرہ میں اندھیرا تھا اُس نے باہر دیکھا تو باغ میں چھ
 سات آدمی نظر آئے۔ ان میں سے دو آگے بڑھے لیکن گلاب کے تختہ میں
 ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور گر گیا، دوسرا ایک درخت کے آڑ میں ہوا اور نظر سے
 غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد کھڑکی کے نیچے آہٹ معلوم ہوئی۔
 مستعد نیچے ہٹ گیا۔ دیوار کی طرف کھسکا تو روشندان کے کھولنے اور
 بند کرنے کی رسی پر ہاتھ پڑا۔ دل میں خوش ہوا۔ روشندان کھڑکی کے بالکل اوپر
 تھا۔ فوراً کرسی پر چڑھا، رسی کا ایک بڑا سا حلقہ بنایا اور کھڑکی کے پردہ سے حلقہ
 ملا کر خاموش کھڑا ہو گیا۔ ایک آدمی کھڑکی کے سامنے آیا جب اطمینان ہو گیا کہ
 بالکل خاموشی ہے اور کمرہ خالی ہے، کھڑکی کی دھلی پر ہاتھ رکھ کر کمرہ کے اندر
 کودا۔ عین اُسی وقت مستعد نے رسی کے پھندے کو جھٹکا دیا اور اُس آدمی
 کے گھٹے میں رسی کا پھندا کس گیا۔ آواز بھی مُنہ سے نہ نکلنے پائی۔ مستعد نے پھندے
 کو کسا۔ آدمی اُس کے بس میں تھا جیسے جاکو نکالا۔ رسی کا رٹ کر ایک سر ہاتھ
 میں پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے کھڑکی بند کی اور پردہ ڈال دیا۔ روشنی کا ٹپن ڈایا

تو کمرہ سنور ہو گیا۔ اُسے اُسید تھی کہ پادری بند ہوگا اور آج اُسکے ہاتھ سے اُسکی ناپاک زندگی کا خاتمہ ہو جائیگا۔ مگر یہ بند و نہیں کوئی دوسرا آدمی تھا۔ ڈھکیلتا ہوا کمرہ سے باہر لے گیا اور چند منٹ میں مالہ صاحب کے دفتر کے کمرہ میں جہاں اُسکے ساتھی جمع تھے پہنچا۔ انپکٹر وقار حسین نے قیدی کو غور سے دیکھا اور کہا۔

”سیتل، کیا تم بھی تیرا اسکے گردہ میں شامل ہو؟ ٹھاکر داس کے قتل کے بعد سے پولیس تمھاری تلاش میں تھی“

”سیتل قوی پہل اور مضبوط آدمی تھا۔ ہاتھ کے اشارہ سے رسی کا پھندا ڈھیل کرنے کی خواہش کی مستعد نہ اُسے کرسی پر بٹھا کر ستلی سے بانڈ دیا۔ پھندا ڈھیلایا۔ سیتل نے غصہ سے کہا

”یاد رکھو، تمھاری جان کی خیر نہیں۔ تمھیں زندہ چھوڑوں تو میرا نام سیتل نہیں“

مستعد مسکرایا۔

”اس وقت اپنی خیر منادو، سچ بتاؤ تمھارے ساتھی کیوں باہر کھڑے ہیں، اند کیوں نہیں آتے، کیا تمھارے اشارہ کے منتظر ہیں؟ اشارہ کیا ہو؟“

”ہرگز نہ بتاؤں گا“

”تم ضرور بتاؤ گے۔ لیکن جب تک تمھارے ساتھ وہی ترکیب نہوگی جو تمھارے دوست دوسروں کا راز معلوم کرنے کیلئے کرتے ہیں، تم نہ بتاؤ گے“

جیب سے سنگار جلانے کی برقی ڈبیا نکالی۔ اُسے روڈن کیا، میز سے

ایک تچی اٹھائی اور اسکا پھل گرم کرنا شروع کیا۔ سیتل اس عمل کو دیکھ رہا تھا اور زرد ہوا جاتا تھا۔ پھل سُرخ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ سیتل خوف سے لرز نے لگا۔
 ”دھکھرو۔ ایسا نہ کرو۔ بتائے دیتا ہوں۔ صدر دروازہ کھول کر برقی لمپ سے تین مرتبہ روشنی کرو۔“

مستود نے ڈبیا بند کی قچی کو آتش دان میں ڈالا۔
 ”وہ انیکٹر صاحب اپنے آدمیوں کو حکم دیجئے کہ سیتل کو یہاں سے لیجائیں شاید ٹھکا کر داس کے قتل کے مقدمہ میں اس سے مدد ملے گی۔“
 اپنے افسر کا اشارہ پا کر پولیس کے سپاہیوں نے سیتل کے ہاتھوں میں ہتکڑی بھردی۔ رسی سے کمر مضبوط باندھی اور باورچی خانہ کی طرف لے گئے۔
 مہتاب جنگ نے دریافت کیا۔
 ”یہ بتاؤ کہ لالہ بنا رسی داس نے اپنے آہنی صندوق کی کنجی دی یا نہیں۔“

”اے میں کاغذات بند ہیں۔“
 ”بڑے نمکی مزاج کا آدمی ہے۔ بغیر اپنے وکیل کی موجودگی کے کاغذات دکھانے نہیں چاہتا کنجی اپنے ساتھ لے گیا۔ اب سولے اسکے چارہ نہیں کہ مرزا بگرا جی کے آدمیوں کو جو ان کاغذات کے حاصل کرنے کے لئے مامور ہوئے ہیں اندر لے دیا جائے مجھے آہنی صندوق کاٹنے کی مشق نہیں، نہ میرے پاس اوزار ہیں۔
 علاوہ اس کے ایک دوست کی اجازت کے بغیر اس کے صندوق کو کھولنا لالہ کاغذات چورانا ہمارے لئے زیبا نہیں ہے۔ آپ سب برابر کے کومیں چھپ جائیں اور دروازہ بند کر لیں۔“

جب کمرہ خالی ہو گیا۔ مستود صدر دروازہ پر گیا اور ایک پٹ کھول کر تین تہہ اپنی برتنی لائین سے روشنی کی اور دروازہ کھلا چھوڑ کر دفتر کے کمرہ میں پڑھ کے بیچھے چھپ گیا۔ احاطہ میں مرزا کے آدمی اشارہ کے منتظر تھے آگے بڑھے۔ دو آدمی صدر دروازہ پر کھڑے ہو گئے۔ ایک آدمی اوزاروں کا بیگ ہاتھ میں لئے غلام گردش میں آیا۔ آہستہ آہستہ سیتل کو بلایا مگر جواب نہ ملا۔ پھر کمرہ میں داخل ہوا۔ روشنی کی اور آہنی صندوق کے پاس گیا۔ جیب سے برتنی برانکالا۔ بجلی کا تار اُس میں لگایا۔ دوسرا سرالجا کر کرہ کے پلگ میں لگایا جس سے برقی سلسلہ قائم ہو گیا۔ کبھی کے روزن کے چاروں طرف سوراخ کیے۔ جب چاروں طرف سے صندوق کا پٹ کٹ گیا۔ ایک اور اوزار نکال کر خاص ترکیب سے سوراخ میں لگایا اور زور سے جھٹکا دیا۔ لوہے کا ٹکڑا ٹوٹ کر گر گیا اور صندوق کھل گیا۔ جلد جلد کاغذات کے پندے اور رجسٹر نکال کے اپنے آگے ڈھیر کیا ایک تھیلی میں کچھ اشرفیاں ملیں جو آن واحد میں اپنی جیب میں رکھیں۔ یہ آدمی ایسا مصروف تھا کہ اس نے مستود کو پردے کے آڑ سے نکلنے اور اپنی طرف آنے نہ دیکھا۔ مستود نے پستول کی نال اُس کی کنپٹی کے پاس کی تو چونکا اور اپنے ہتھوڑہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔ تم نے ذرا جنبش کی اور میں نے پستول کی لیبی دباؤی“
 اُس آدمی نے ہاتھ اوپر اٹھائے اور کھڑا ہو گیا۔
 ”سیتل یہاں کوئی دم نہیں آتا ہو گا اور تمہارا خاتمہ کر دیگا“
 مستود ہنسا۔

”گھبراؤ نہیں سیتل کے پاس ذرا دیر میں پہنچ جاؤ گے۔“
 ہاتھ بڑھا کے ٹپن دبایا۔ دوسرے کمرہ میں جہاں اُسکے دوست چھپے
 ہوئے تھے گھنٹی بجی اور سب لوگ دفتر کے کمرے میں آگئے۔ انیسٹر وٹا حسین نے
 اس آدمی کو دیکھا اور کہا۔

”تم ہو گئی، ہمیں تو یہ معلوم تھا کہ تم دہلی کی پولیس سے بچکر کراچی چلے گئے۔
 اور وہاں تمہارے موجود ہونے کی حال میں اطلاع بھی آئی ہو۔“

”حضور ٹھیک کہتے ہیں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میں اس جال میں پھنس جاؤنگا
 میں کراچی سے آج ہی شام کی گاڑی سے آیا ہوں خاص طور پر بلایا گیا تھا۔ اور
 آج کی کامیابی پر بہت کچھ ملنے والا تھا۔ جو میری زندگی بھر شے لئے کافی ہوتا اور
 میں یہ خطرناک پیشہ چھوڑ کر آرام کی زندگی بسر کرتا۔ میں نے آج کوئی چیز نہیں چورائی
 آخر کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہوں۔ حضور مجھے چھوڑ دیں تو آج ہی دہلی سے چلا
 جاؤں، پھر کبھی واپس نہ آؤں گا۔ حضور کی بڑی مہربانی ہوگی“

”لیکن تم بڑے خطرناک مجرم ہو۔ لوہے کے صندوق کا ٹپنے میں خاص طور
 پر مشق رکھتے ہو۔ تم بلا اجازت اس گھر میں چوری کی نیت سے آئے تمہاری گرفتاری
 کے لئے وجہ کافی ہیں“

مہربان جنگ نے انیسٹر سے کہا۔

”انیسٹر صاحب اٹنی لمبی رہائی کی میں بھی سفارش کرتا ہوں، اسکی گرفتاری کے
 یہ معنی ہوں گے کہ وہ عدالت میں بھیجا جائیگا جہاں ہم سب کو اسکی گرفتاری کی شہادت
 دینا ہوگی اور جس رازداری کے کام میں ہم مشغول ہیں وہ طشت از بام ہو جائیگا“

بہتر مگر آپ گٹھی کی درخواست منظور کر لیں اور اُسے چھوڑ دیں۔

انپکٹر نے قد سے غور کیا۔

”بہتر ہے، کنور صاحب کی سفارش کو میں رد نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ تباؤ تمہیں یہاں کسے بھجوا اور کیا چیز چرانے کے لئے؟“

”حضور، زیادہ مجھے نہیں معلوم، میں آج ہی آیا ہوں سیتیل نے تاریخ بیکر بلایا اور یہ کہا کہ مرزا بگلرامی کو چند کاغذات کی ضرورت ہو جو اس سبب میں ہیں سیتیل ہمارا سردار تھا، پہلے اُسے مکان میں جا کر اپنی گڑبڑ سے مستعد ہو کر جو سیتیل لئے کھڑا ہے مار ڈالنے کا حکم تھا۔ معلوم نہیں سیتیل نے اسے زندہ کیوں چھوڑا اور خود کہاں گیا۔“

”گٹھی تم آزاد ہو، خاموشی سے باہر جاؤ، اور مرزا کے آدمیوں سے کہو کہ مکان پولیس سے بھرا پڑا ہے، انہوں نے اندر قدم رکھا اور گرفتار ہوئے۔“

”تھوڑی دیر میں گٹھی باہر گیا اور چند آدمی احاطہ کی دیوار کی طرف بھاگتے نظر آئے۔“

مستعد نے دروازہ بند کیا اور ایک آرام کرسی پر لیٹ گیا۔ بکرم سنگھ کی حالت بہتر تھی اور سولے نیلگوں نشان کے مرزا کے سانپ کے کاٹے کا اثر باقی نہ تھا۔ وہ ان لوگوں کی ہمت اور جسارت کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

باب لال کھٹور

لالہ بنارس داس ضابطہ اور قاعدے کا آدمی تھا۔ آہنی صندوق میں سے جو کاغذات کے بندل اور رجسٹر نیکلے سب پر مضمون کی تیکد چباں تھی۔ مہرب جنگ نے جلد جلد بندلوں کو دیکھا اور ایک بندل کو ہاتھ میں اٹھایا جبکہ ”گو کھلے کی خطوط“ لکھا ہوا تھا۔ یہ سب مرہٹی زبان میں تھے جس سے مہرب جنگ بخوبی واقف تھا۔
خطوں پر نظر ڈالی اور کہا۔

”یہ سب معمولی خطوط ہیں۔ مختلف مضامین پر، بھوپال کا کہیں کہیں ذکر ہے۔ مگر اُسکے راز کا اس میں کچھ سہہ نہیں۔ صندوق کو غور سے دیکھا ایک طرف کھٹکا نظر آیا۔ اُسے دبا یا تو ایک خانہ کھل گیا۔ اُس میں چند ہنڈیاں، والیان ملک اور قومی لیڈرل کے دستے جن میں بڑی بڑی رقوم قرضہ کی درج تھیں برآمد ہوئے۔ علاوہ اسکے ایک کتاب نکلی جو کسی طرف سے کھلتی نہ تھی۔ دراصل کتاب کئی شکل کا ڈبہ تھا۔ برقی روشنی میں غور سے دیکھا گیا ابری کے نیچے ایک طرف سوراخ نظر آیا۔ مستود نے اپنے چاقو کا پھل ڈال کر دبا یا تو کتاب کا پیٹ جو کسی کمائی سے دبا ہوا تھا کھل گیا۔
درکنور صاحب، جن کاغذات کی تلاش تھی ماسیں ہیں“

مہاراجہ جگ نے ایک لفافہ سرسبز اٹھایا اور لفافہ چاک کر کے اس میں سے
کئی صفحات کا خط نکالا جس پر کھلے کے دیکھا تھے مضمون سرسبز زبان میں تھا شروع
میں معمولی حالات تھے اس کے بعد ذیل کی عبارت درج تھی۔

”شکر ہے میری محنت رائیگاں نہیں گئی اور آخر کار میں اس دولت کے
معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا جس کی تلاش میں مدت سے بندہ مل کھنڈ، مالوہ اور
بھوپال کے جنگلوں میں مارا مارا پھرتا تھا۔ لیکن جو واقعات میں آپ کو لکھ کر بھیجتا ہوں
ان سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اگرچہ میں نے راز کو دریافت کیا، اس دولت کی مالک
ایک لڑکی ہے اور جب تک مجھے اسکا اطمینان نہ ہو جائے کہ لڑکی زندہ نہیں
ہے یا مفقود اس تجربے، میرا ضمیر اس پر قبضہ کرنے اور اپنے تصرف میں لانے سے
سخت ملامت کرتا ہو۔“

”بھوپال کے جواں محنت و جواں سال فرماؤ کی سند نشینی جس ترک
و تشام سے ہوئی اُسے کون نہیں جانتا۔ آپ نے بھی اخبارات میں پڑھا ہوگا
وفا دار اور کار گزار انسٹران ریاست کو انعام و اکرام سے سرفراز کیا گیا۔ عمدہ داؤں
کو ترقی ملی، غربا اور محتاجوں کو نقدی اور غلہ تقسیم کیا گیا۔ قیدی رہا ہوئے پُرائے
اُمرا کی جاگیر میں اضافہ ہوا اور منصب داروں کے مراتب بڑھائے گئے۔
مستاجروں کے ٹھیکوں کی تجدید ہوئی۔“

مستاجروں میں ایک پارسی انجینئر فیدوں جی بھی تھا جس کا کوئی وارث یا بیٹ
دربار میں موجود نہ تھا اور اسکی سند مستاجری کی تجدید ملتوی کی گئی۔ ابتداً فریڈ جی
ریاست بھوپال میں ملازم تھا اور حضور سرکار عالیہ اسکی محنت اور کارگزاری سے

بہت خوش تھیں۔ علاوہ تمیرات کے فریدوں جی نے علم معنیات کی بھی تعلیم پائی تھی۔ دراصل اس شعبہ میں اُسے بہت شغف تھا۔ زریات ابھو پال کو قدرت نے اپنی فیاضیوں سے بالامال کر دیا ہے۔ زریخیز زمین کے ساتھ نمبرت بانی قیمتی شکل اور معنیات کی فراوانی ہے، لیکن معنیات کی طرف توجہ بہت کم کی گئی۔ کبھی کبھی انجینئر اُسے اور مینوں جنگلوں کا دورہ کیا شکار کھیل کے واپس چسے گئے۔ کسی نے سرگرمی اور استقلال کے ساتھ معنیات کی تلاش نہ کی۔ حالانکہ بھوپال اور اُس سے اوپر تبدیل کھنڈ میں پُرانے مقولے اور کہاوتیں بکثرت مشہور ہیں جس سے اس علاقہ میں معنیات کی فراوانی کی طرف اشارہ ہوتا ہے مثلاً

ابنچی ڈوریا لال کھوڑ

جسین گڑے چھپن کرور

بندیل کھنڈ، گوالیار اور وسط ہند کے تمام پہاڑی علاقوں کا دُل گاؤں لوگوں کی زبان پر صدیوں سے ہے۔ بظاہر شیعہ کسی پوشیدہ خزانہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ خزانہ ہے کہاں۔ کبھی تبدیل کھنڈ میں ضل کیا گیا اور اگرچہ علاقہ اجاڑ، اور سنگ بستہ ہو لیکن ہندوستان کی بڑی بڑی لڑائیاں یہاں ہوئی ہیں۔ محمود غزنوی کی فوجیں کالنجر اور باندہ اسی خزانہ کی تلاش میں بڑھتی چلی آئیں۔ اگلے اور اُدل کی مشہور لڑائی جو تمام ہندوستان میں بھاٹ گاتے ہیں۔ دراصل اسی خزانہ پر قبضہ کرنے کے لئے اٹھی۔ اگرچہ اپنے وزیر ابو الفضل کو اسی خزانہ کی تلاش میں بھیجا اور یہی وجہ تھی کہ بیرنگہ بندیل نے گوالیار کے قریب اُسے قتل کر دیا کیونکہ وہ اس خزانہ کو بندیلوں کا حق سمجھتا تھا

جنگگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں تبدیل کھنڈ اور وسط ہند میں فوج کشی کسی حقیر اور بے مایہ جنگیر دار کی سزا کے لئے نہیں تھی یہ صرف بہانہ تھا۔ دراصل مقصود یہی دلت تھی۔ مرہٹوں نے جب شمالی ہندوستان کا رخ کیا تو وسط ہند اور تبدیل کھنڈ کے تمام جنگلوں کو چھان مارا۔ انگریزی سلطنت قائم ہو جانے کے بعد اس علاقے میں فوج کشی کا موقع باقی نہ رہا لیکن بہت لوگ فردا فردا یا چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر اس علاقہ میں سونے کی تلاش میں آتے اور دشت نور دہی کرتے رہے۔ کوئی تھوہار اور سری نگر کے جنگلوں میں جاتا اور کوئی دتیا، گوالیار، اور اوجین کے علاقوں میں تلاش کرتا۔

بھوپال کے سرسبز اور شاداب ملک کی طرف لوگوں کو استفادہ گرویدگی نہ تھی۔ فریدوں جی جس زمانہ میں فرمانروائے ملک کے حکم سے سڑکیں، تالاب، اور عمارت جابجا بناتا پھرتا تھا۔ ساپنچی ٹپ کے تاریخی اور نادار الوجود آثار کی مرمت کرتے وقت اُسے ایک دن یکساں ایک یہ خیال پیدا ہوا کہ گوتم بدھ کی ایسی لاجواب یادگار وسط ہند میں قائم ہونا کچھ معنی رکھتی ہے۔ گوتم شمالی ہند میں پیدا ہوا۔ بنارس کے قریب سارناتھ میں بیٹھ کر اُس نے اپنی عالمگیر تعلیم کا آغاز کیا اور اُسکا مذہب تقریباً تمام ہندوستان میں پھیل گیا اور کوہ ہمالیہ کی سرحد تک دیوار کو عبور کر کے چین اور جاپان تک پہنچ گیا۔ یوں گوتم بدھ کی یادگار ہندوستان کے ہر حصہ میں عمارتیں پائی جاتی ہیں مگر ساپنچی ٹپ اپنی آپ مثال ہو جس علاقہ میں یہ عمارت ہے وہاں آبادی بہت کم ہے، اور یہاں کے باشندے مفلس، جاہل، اور اوبام پرست ہیں۔ پھر ایسی شاندار

عمرات کا یہاں بنانا معنی سے خالی نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ دولت جس کی طرف
اونچی ڈور یا لال کھٹور
جہیں گڑے چھپن کرور

میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ساہنجی ٹپ کے قریب ہو۔ ساہنجی ٹپ کے
متعلق جتنی کتابیں جہاں کہیں مل سکیں پڑھی گئیں۔ گرد و نواح کے تمام علاقہ کی
پیمائش کی اور جا بجا زمین کو کھودا۔ آخر کار ایک نقشہ کی مدد سے جو بدھ مذہب
کی ایک پُرانی کتاب میں اُسے ملا تھا وہ اُس پہاڑی کے معلوم کرنے میں کامیاب
ہو گیا جہاں یہ دولت زیر زمین مدت سے پڑی تھی۔ اس پہاڑی کے معنیات
پر تصرف کرنے کے لئے اُسے سرکار بھوپال سے باضابطہ اجازت کی ضرورت
تھی۔ چنانچہ اس خیال سے کہ کسی کو یہاں سونے کی کان ہونے پر شبہ نہ ہو، اس
علاقہ کو متاجری میں ۱۲ سال کیلئے حاصل کیا۔ ریاست بھوپال سے جو سند
فارسی زبان میں اُسے ملی تھی اس خط کے ساتھ ملفوف ہو۔

اسکے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہو گا کہ سند کی رو سے فریدیوں جی کو ساہنجی
ٹپ کے گرد و پیش کی زمین تک علاوہ جنگلات کی پیداوار کے معدنیات تلاش
کرنے کے حقوق عطا کیے گئے ہیں اور اس علاقہ میں دوسرے لوگوں کو شکار
کھیلنے تک کی ممانعت کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جنگلات کا اجارہ محض پردہ تھا
اور اصل مقصود وہ دولت تھی جو لال کھٹور میں پوشیدہ ہے۔ میں ساہنجی ٹپ کے
نواح میں گھوم بھر کے شام کو بنگلہ میں چلا جاتا تھا۔ رات کو کتا میں بڑھ کر دل
بھلانا۔ میرے ساتھ جو کتا میں تھیں چند روز میں ختم ہو گئیں۔ ڈاک بنگلہ کے

ملازم سے معلوم ہوا کہ بہت سی کتابیں اور کچھ سامان جو فریدیوں جی کی موت کے وقت اُنکے ساتھ تھا ایک کو کھٹری میں بند پڑا ہے۔ میں نے کوٹھری کھلوائی کئی کتابیں آثارِ قدیمہ کے متعلق تھیں جس میں ساپچی ٹوپ کا حال بھی درج تھا۔ ان کتابوں میں فریدیوں جی کے روزنامے بھی تھے۔ جنہیں میں بڑے غور سے پڑھا اور ان ہی کی مدد سے میں آپ کو لال کھٹور کے متعلق یہ سب حالات لکھنے کے قابل ہوا ہوں۔ علاوہ اسکے مشہور پارسی شاعر و توحید کا دیوان گجراتی زبان میں ملا جو اکثر فریدیوں جی کے مطالع میں رہتا تھا، دیوان کی اور ارق گردانی کرتے وقت ایک صفحہ پر چھوٹا سا نقشہ نظر آیا جس میں لال کھٹور لکھا ہوا تھا۔

میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ میں نے یقین کیا کہ یہ وہی نقشہ ہے جسکی مدد سے فریدونجی نے لال کھٹور کو دریافت کیا ہے۔ اس کتاب کو میں نے جیب میں رکھا۔ جب میں خگل اور پہاڑیوں میں خزانہ کی تلاش کرنے نکلتا تو نقشہ کو پیش نظر رکھتا۔ اس نقشہ میں ایک لکیر ندی یا چشمہ کی بنی ہوئی ہے۔ ساپچی ٹوپ سے کچھ دور دو پہاڑیوں کے درمیان ایک چشمہ بہتا ہے۔ جس نے آگے چلکر تالاب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اسکے کنارے پہاڑوں کی کئی ایک اونچی چوٹیاں تھیں۔ میں نے ان پہاڑیوں میں گشت لگایا اور چوٹیوں پر بیٹھ کر گھنٹوں سوجتا اور ہر طرف نظر دوڑاتا رہا۔ لیکن لال کھٹور جسے میں پرانے زمانہ کی عمارت سمجھتا تھا کبھی نظر نہ آتی تھی اگرچہ مجھے یقین تھا کہ وہ کہیں اس ندی کے کنارے

ایک دن ندی کے کنارے ایک شکاری کو ساتھ لیے جا رہا تھا۔ دونوں طرف پہاڑیاں اور گہنا جنگل تھا۔ شام ہونے کو تھی۔ یکایک مور بولنے اور لنگور درختوں پر چڑھ کر خوشیاں منانے لگے۔ یہ علامت کسی درندے کی نمودگی کی ہے۔ ہم ایک چٹان کے پیچھے خاموش کھڑے ہو کر ہر طرف دیکھنے لگے۔

پچاس ساٹھ قدم کے فاصلہ پر ایک جھاڑی سے چڑیاں جو سیرے کیلئے جمع ہوئی تھیں یک سخت اڑیں۔ اس جھاڑی سے ایک بڑا شیر آہستہ آہستہ برآمد ہوا۔ چٹان پر کھڑے ہو کر اُسے پنجہ سے دو ایک بار منہ کو پوچھنا۔ پھر انگریزی لی۔

نظارہ بہت دل فریب تھا۔ میں نے آہستہ سے اپنا رائفل اٹھایا اور فیر کیا۔ شیر اس زور سے گر جا کہ تمام جنگل گونج اٹھا۔ اسی کے ساتھ ایک فتن لگائی اور جھاڑی میں غائب ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ گولی دل کے قریب کاری لگی ہے اور شیر زندہ نہیں رہ سکتا، لیکن شام ہو گئی تھی اور اس وقت زخمی شیر کی تلاش کرنا خطو سے خالی نہ تھا۔ دبے پاؤں پیچھے لوٹا۔ دوسرے دن صبح کو واپس آیا اور احتیاط کے ساتھ شیر کی تلاش کرنے لگا۔ جہاں شیر کے گولی لگی تھی۔ خون کا کوئی نشان نہ تھا لیکن کچھ دور چل کر خون ملا کھوج لگتا ہوا تھوڑی دور گیا۔ شیر گولی کھا کر نالے کے پار کود گیا تھا اور وہاں سے کچھ اوپر پہاڑی پر چڑھا تھا۔ پھر ایک گھنی جھاڑی ملی اُس کے قریب ایک کھوکھلے منہ پر شیر کی دم اور پھیلا پٹھا نظر آیا۔ میں نے فیر کیا لیکن شیر نے مطلق جنبش نہ کی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ شیر کبھی کامرکھا ہے۔ کل شام کو گولی کاری ملی اپنی کچھار کے اندر جانا چاہتا تھا۔ لیکن داخل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ مر گیا جب اطمینان

ہو گیا کہ شرمزدہ ہو میں نے نیکاری کو گاؤں سے مزدور لانے کے لئے بھیجا اور
کھو کے منہ کے پاس بیٹھ گیا اور دستوہ جی شاعر کا دیوان کھولا جو ہرقت میری
جیب میں رہتا تھا۔ لال کھٹور کا نقشہ اس دیوان میں تھا اسپر نظر پڑی تو خیال
ہوا کہ کھنے درختوں کے قریب جو گول دائرہ بنے۔ ممکن ہے کہ وہ نبی سوراخ
ہے جس میں شیر نے اپنی کچھار بنار کھی ہے۔ اس کے قریب ۳۰۰ کھال پٹا
کھڑا ہوا اور ندی کی طرف قدم گنتا ہوا گیا۔ ٹھیک ۳ سو قدم پر یہاں سے
ندی تھی۔ دوڑتا ہوا واپس آیا۔ جھولے سے برتنی مشعل نکال کر روشنی اندر
ڈالی۔ اس میں جانوروں کی ڈھیروں ٹہلیں پڑی تھیں اور سخت بدبو آتی
تھی۔ کھو کے اندر دہنی جانب چند سیڑھیاں نظر آئیں۔ ایک ہاتھ میں پتول
لیکر میں کچھار کے اندر کود پڑا۔ دس بارہ سیڑھیاں اُترتا ایک مستطیل کمرے
میں پہنچ گیا۔ سامنے چٹان میں کھٹ ہوئی گوتم بدھ کی بڑی سی شبیہ تھی۔ اسکے
دونوں طرف دیوار میں قد آدم اور بچائی پر بہت سے طاق تھے، ہر طاق میں بدھا
کا ایک ایک بُت تھا۔ سب ایک جسامت کے نہ تھے بلکہ مختلف۔ میں نے
خیال کیا کہ غالباً اس کھوس کوئی معتقد فقیر رہتا تھا جو جنگل کی خاموشی میں بدھا کے
بتوں کو پیش نظر رکھ کے عبادت کرتا اور نردان اور شانسی کے مسائل پر غور کرتا
ہوگا۔ طاق میں سے ایک بُت کو اُٹھایا تو بہت وزنی معلوم ہوا گرد جھاڑ کر
چاقو سے کھڑچا تو ٹھوس سونا پایا۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی سان طاقوں
میں لاکھوں کی مالیت کا سونا چٹا ہوا تھا۔ میرے جھولے میں وزن کرنے کا
ایک کانٹہ بھی تھا اس کی مدد سے میں نے تمام بتوں کو تولاد اور دستوہ جی کے

دیوان کی دفقی پر وزن لکھ لیا۔ بعض بُت زیادہ وزنی تھے اُن کا وزن اندازاً لکھ لیا تھا۔ سب سے چھوٹا بُت رومال میں لپیٹ کر اپنی جھولی میں رکھا اور خاموشی سے جا قیام پر واپس آیا۔

فردیہ دل جی نے اپنے روزنامے میں اس غار کا ذکر کیا ہے مگر اسے شیر کی کچھار لکھا ہے۔ ہڈیوں کے انبار سے معلوم ہوتا ہے کہ مدتوں سے یہ غائریں کا مسکن تھا۔ کسی آدمی کو اسکے اندر جانے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی، یہ محض اتفاق تھا کہ میں نے شیر مار لیا اور باوجود سخت تعفن اور ہڈیوں کے انبار کے شوق مجھے اُسکے اندرونی حصّہ کی تلاش میں لے گیا۔ جو خرانہ مجھے ملا تھا وہ کم نہ تھا لیکن ظاہر تھا کہ لال کٹھن حرس میں چھپن کر در کی موجودگی خیال کی جاتی تھی وہ یہ جگہ نہیں ہو سکتی، اگرچہ اتنا ہیبت سا سونا اس بات کا ثبوت تھا کہ سونے کی کان یہاں سے زیادہ دور نہیں ہو سکتی جہاں سے سونا نکال کر یہ بُت بنائے گئے تھے۔ میں نے تلاش جاری رکھی اور خدا نے مجھے کامیاب کیا۔ ندی کے دوسری جانب ایک اونچی پہاڑی پر ایک پرانی عمارت کے آثار ہیں، شاید کسی فقیر کی کٹی ہوگی اس کے متصل فردیہ جی نے ایک چھوٹا سا خس پوش، منگلیہ بنایا تھا جس کی اب صرف دیواریں باقی ہیں۔ یہاں فردیہ جی کتابوں اور نقشہ کے مطالعے میں مصروف رہتا تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں اس جگہ سونے کی کان ہو کھو دیا شروع کیا۔ سونے کے آثار تو یہاں نہیں ملے لیکن مین کا ایک صندوق پر آدھ ہوا جو رنگ آلودہ تھا اُسے توڑا تو چند نقشے، اور خطوط ملے اور موم جامہ کے ایک لفافہ میں سرکار عالیہ بھوپال کا

وہ فرمان ملا جس کی رو سے اس علاقہ کا اجا فریڈس جی کو محنت ہوا تھا۔ خطوط میں ایک خط بھارتی زبان میں فریڈس جی کی لڑکی ہیرا کی کا تھا۔ فرمان اور اس خط کو میں نے اپنے جیب میں رکھا۔ ایک نقشہ پر اس پہاڑی کا نشان بنا تھا اور وہاں سے ندی کی طرف چند مقامات کا فاصلہ درج تھا اور ایک جگہ لال کھوڑ لکھا تھا۔ میں نے اپنے شکاری کو کسی کام سے بھیجا اور کدال ہاتھ میں لے کر نقشہ کی مدد سے قدم لگتا ہوا پیچھے اتر آیا اور ایک ٹیلہ پر بیٹھا اور اس کی جڑ میں کھود شروع کیا۔ دو فٹ بھی مٹی نہ بٹائی تھی کہ کدال کسی سخت چیز پر پڑی جس جگہ کدال کی نوک لگی تھی سونا نظر آیا۔ دوسری طرف بھی عمل کیا تو وہاں بھی سونے کے بڑے بڑے ٹکڑے ملے۔ کئی جگہ کھود کر میں نے اطمینان کر لیا کہ اس ٹیلہ کے نیچے بے اندازہ دولت دفن ہے۔ اور لال کھوڑ دراصل کسی عمارت کا نام نہیں بلکہ اسی پہاڑی کا نام ہے۔ جلد جلد مٹی اور تھپے سے سب سوراخوں کو ڈھانک دیا اور مسکن پر واپس آیا۔

اُس دن شام کو میں نے گلی کا چراغ جلا دیا، گنیتی دیوی کی مورتی سامنے رکھی، اور بڑے جوش اور خلوص کے ساتھ سنا دیا میں مصروف ہوا۔ اور پشیر کا شکر ادا کیا کہ اُس نے مجھ جیسے غریب اور گنہگار آدمی کو اتنی دولت دی۔ اس محبت کے عالم میں گنیتی دیوی کا ہاتھ اٹھا اور ملامت کی انگلی میری طرف بڑھی اور میں نے محسوس کیا کہ کوئی بول رہا ہوا۔

”گو کھلے! تجھے شرم نہیں آتی، دوسرے کے مال کو تو اپنا سمجھتا ہے۔“
قانون اور انصاف کی رو سے لال کھوڑ کی مالک فریدیوں جی کی لڑکی ہے

جا اور اُسے تلاش کر۔

میں ساری جان سے لرز اٹھا اور تھوڑی دیر کے لئے بیہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو میں نے دیوی جی کے بچن پر خیال کیا۔ اور ارادہ کر لیا کہ جب تک فرید دل جی کی وارث نہ ملے یا یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ اسکا کوئی وارث زندہ نہیں ہو، اُس دولت کو صرف نہ کرونگا۔ ممکن ہے کہ فرید دل جی کی لڑکی سے معاملہ ملے ہو جائے اور وہ آسانی سے خزانہ کا نصف حصہ مجھے دینے پر تیار ہو جائے۔ کوہا حصہ بھی کروں گا ہو گا۔ آپ کی بڑی ہرانی ہو اگر آپ اپنے بھوپال کے پتہ پر بھیج دیں۔ میں اول وہاں جا کر فرید دل جی کی اولاد کے متعلق دریافت کروں گا پھر آپ کے پاس آؤں گا۔ چند روز سے اس علاقہ میں ایک شخص تہاہیر چلنے آپ کو مرزا بلگرامی کا مرید بیان کرتا ہے، چند پنجابی آدمیوں کے ساتھ آیا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ وہ بھی لال کھٹور کی تلاش میں گھوم رہا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری نگرانی ہو رہی ہو۔ اصلی فرمان کا اپنے پاس رکھنا مناسب نہیں۔ اس لئے آپ کے پاس اس خط کے ساتھ بھیجتا ہوں تاکہ حفاظت سے رہو۔ اگر خدا نخواستہ فرید دل جی کی طرح میں بھی مار ڈالا گیا تو یہ راز آپ کے پاس محفوظ رہے گا۔ اگر میں اس دولت سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہا تو آپ اس مالک ہونگے۔

بہرام نے خط میسر رکھا۔

”مجھے لال کھٹور کا معہ حل ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے خط کے لکھنے کے بعد گوگلے بھوپال گیا اور وہاں اُسے اس علاقہ کے اجارہ کے متعلق کڑی

دفتر میں کچھ دریافت کیا ہو گا کہ حال میں کسی اور کو تو نہیں دیا گیا ہے بلکہ آؤ آدمی اُس کی نگرانی پر رکھے۔ اُنھیں بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ اجارہ کی مدت ۱۶ مارچ ۱۹۲۵ء کو ختم ہوتی ہے اور اُس کو اطلاع کر دی ہو گی۔ ڈاکخانہ سے یہ بھی معا ہوا ہو گا کہ گو کھلے نے ایک خط بندریہ رحطری لالہ بنارسی داس کو بھیجا ہے۔ اور اسکی روانگی کے چند روز بعد پانچسور و پیہ دہلی سے وصول ہوا ہے۔ معلوم کر کے کہ مدت اجارہ کے خاتمہ کا زمانہ اس قدر قریب ہو گا تو کھلے دہلی آئے تاکہ ہماری مدد سے ہیرابائی کی تلاش کرے اور اُسے تجویذ اجارہ کی درخواست بھیجنے کی صلاح دے لیکن وہ دہلی آتے ہی قتل کر دیا جاتا ہے۔ اصل سند کا درخواست اجارہ کے ساتھ بھیجنا ضروری ہو اور یہ وجہ تھی کہ لالہ بنارسی داس کی کوٹھی پر اسکے حاصل کرنے کیلئے آج شب کو حملہ کیا گیا۔

”لیکن ہیرابائی کو معاملہ کی ملازمت دینے سے بلگرامی کا کیا مطلب تھا؟“

”اس سے نیز اُسکے مکان پر حملہ کرنے کا یہ مطلب تھا کہ ہیرابائی کو اپنے قبضہ میں کیا جائے۔ تاکہ وہ تاریخ مقررہ تک تجویذ اجارہ کی درخواست نہ بھیج سکے یا اُسے مجبور کر کے اپنے آپ کو اس کا مختار عام بنایا جائے اور اس دولت پر قبضہ کیا جائے۔“

مستعد نے دریافت کیا۔

”لیکن کنور صاحب، کیا یہ مطلب ہیرابائی کے ساتھ شادی کرنے سے حاصل نہیں ہو سکتا؟ ممکن ہو کہ ہمارے اشتہاری صوفی مرزا بلگرامی کو ہیرابائی رجسٹر تدار لڑکی کی طرف زیادہ التفات نہ ہو لیکن اُسکا رفیق رستم جی جسے صنف نازک اسقا

جا اور اس خیال سے کب باز رہ سکتا ہو۔ سیٹھ جی بڑے کاروباری آدمی اور سوداگر ہیں بیوی کے ساتھ لال کھور کی بے اندازہ دولت بھی جینر میں لٹ جائے۔ کیا مذاق ہے۔ اگر میرا خیال صحیح ہے تو بگڑامی اور ستم جی میں بہت جلد زور آزمائی ہوگی۔“

مہرب جنگ نے مسعود کی ذہانت پر شاباش کہا اور کرسی سے کھڑا ہو گیا۔
 ”مسعود! تمہارا خیال صحیح ہے تو میرا بانی کی حفاظت کا مقبول انتظام ہونا چاہیے۔“

ٹیلیفون کے پاس گیا اور آکھ اٹھا کر میرٹھ سے دریافت کرنا چاہا مگر بالکل خاموشی، گھنٹی تک نہ بجی،
 ”معلوم ہوتا ہے کہ بگڑامی کے آدمیوں نے یہاں حملہ کر نیسے پہلے مار کاٹ کر ٹیلیفون کا سلسلہ منقطع کر دیا ہو۔ مسعود! ٹھوس میرٹھ چلین۔“

باب ۲۱

دوسرا حملہ اور کامیابی

ناظرین واقف ہیں کہ مرزا گلگرامی کے غول کا پہلا حملہ جو ہیرا بائی کے لیجانے کے لئے کیا گیا تھا انا کامیاب رہا اور مستعد کے سین دھت پر میرٹھ پہنچ جانے کی وجہ سے غول کے دواوی زخمی اور ایک پولیس حوالات میں بھیج دیا گیا تھا مستعد کو اطمینان تھا کہ مرزا کے فرید چند روز میرٹھ کی طرف رخ نہ کریں گے۔ علاوہ اسکے لالہ بنارسی داس کی کوٹھی پر پوری قوت سے دھاوا کیا گیا تھا اور نہ تو بہرام اور اسکے دوستوں کو نہ انسپکٹر وقار حسین کو اسکا اندیشہ تھا کہ ہیرا بائی کے مسکن کی طرف فوری توجہ کی جائیگی۔ انھیں اطمینان تھا کہ ننھے خاں اور درگا پرنس اور جھین نگرانی پر مامور کیا تھا احتیاط سے کام لیں گے اور حفاظت کے لئے کافی ہیں لیکن مرزا گلگرامی اور رستم جی کے نزدیک ہیرا بائی کو پسنے قبضہ میں کرنا از بس ضروری تھا۔

دن بھر بڑے سکون سے گزرا۔ ہیرا بائی نے حسب معمول زیادہ وقت باغ میں بسر کیا شام کو کھانے کے بعد کچھ دیر اپنی پھوپھی کا دل پیانا بجا کر ہلا اور ۹ بجے کے قریب دوسری منزل پر اپنی خواجگاہ میں جا کر سو گئی۔

درگاہ شاد جس کا زخم ابھی تکلیف دے رہا تھا، پشت کی جانب برآمدہ میں لیٹ ہوا
 ننھے خاں ۱۲ بجے تک جاگتا اور ہلستا رہا۔ بادل شام سے گھرے ہوئے تھے
 بجلی بجی، تیز ہوا چلی اور بوندیں پڑنے لگیں۔ وہ بھی برآمدہ میں آکر ایک بچہ پر لیٹ
 گیا اور تھوڑی دیر میں غافل سو گیا۔

ہیرا بانی آدھی رات تک بخیر سوتی رہی، بادل کی گرج اور بجلی کی
 کڑک سے کئی بار آگئے کھلی۔ اُس نے محسوس کیا کہ کھڑکی کے شیشوں پر کوئی
 شے لگی، یہ بوندیں نہ تھیں بلکہ کوئی سخت چیز، ذرا دیر بعد پھر یہی ہوا۔ پلنگ
 سے اٹھی اور کھڑکی کا پٹ کھولا۔ کسی کے سسکیاں لینے کی آواز کان میں
 آئی۔ گردن بائیں نکال کر دیکھا تو کوئی اور اُسے لپیٹے باہر کھڑا ہے، پوچھا کون ہو
 تو جواب ملا

”میں ہوں کملابانی“

اور زور سے سسکیوں کی آواز آئی۔

”تم یہاں کہاں؟ خیر تو ہے؟“

”بڑی مصیبت میں ہوں خدا کے لئے اندر آنے دو“

ہیرا بانی بڑی نرم دل لڑکی تھی، کسی کو مصیبت اور تکلیف میں دیکھ کر

اُس کا دل بے قرار ہو جاتا تھا۔ کھڑکی کو کھلا چھوڑا۔ ایک مثال سر پر ڈالا۔ زمین
 اُتر کر نیچے آئی۔ صدر دروازہ کا پٹ کھولنا تھا کہ ایک آدمی نئے اُس کی
 کلائی پکڑی۔ منہ پر ہاتھ رکھا اور اندر آ گیا۔ دو اور آدمی جو برآمدہ میں چھپے
 ہوئے تھے مکان میں داخل ہوئے اور اُس کے پیچھے کملابانی۔ نشست کے

کرے میں آئے ہیرا بانی کو ایک کوچ پر لٹا دیا۔ ایک آدمی نے جیب سے بیہوشی کی ایک شیشی نکالی جس میں رٹر کی نلکی اور ایک طرف ہاتھ سے دبائے کی گین۔ ہیرا بانی کے منہ پر ایک موٹا کپڑا ڈالکر آدمی نے ریر کی گیند بانی شروع کی۔ ہیرا بانی نے چھوڑانے کے لئے بہت زور لگایا۔ لیکن بالکل بے بس تھی۔ سانس کے ساتھ کوئی شے میٹھی میٹھی اُسکے ناک اور منہ میں گئی۔ سر جکرایا اور ذرا دیر میں بیہوش ہو گئی۔

کملابانی جو علیحدہ کھڑی زار و قطار رو رہی تھی آگے بڑھی ”یہ کیا کرتے ہو۔ تم تو کہتے تھے ہیرا بانی کو نہ سناؤ گے؟“ رستم جی نے غصہ سے کہا

”خبردار! چپ رہو، جاؤ باہر“ کملابانی غلام گردش میں چلی گئی۔ ہیرا بانی کو ایک کبل میں لپیٹ کر دو آدمی باہر لے گئے اور موٹر لاری میں جو سڑک پر کھڑی تھی لٹا دیا۔ سب لوگ سوار ہوئے اور موٹر لاری تیزی سے دہلی کی طرف روانہ ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہیرا بانی کو ہوش آیا۔ کملابانی سامنے کی نشست پر بیٹھی تھی رُمنہ سے کبل ہٹا کر کملابانی کو غصہ، اور حقارت سے دیکھا۔ وہ بہت غمگین اور نشیان معلوم ہوتی تھی، ہیرا بانی نے دریافت کیا۔

”میں نے ایسا کیوں کیا؟ خدا سمجھے۔“ کملابانی بولنے بھی نہ پائی تھی کہ رستم جی نے غصے سے کہا۔ ”چپ رہو، تم نے زیادہ بک بک کی تو اچھا نہ ہو گا۔“

ہیرا بانی بے بس تھی، سولے خاموشی کے اور کیا چارہ تھا۔ جس طرح کے دم
اُسکے دل میں آتے تھے نا اُمیدی کا غلبہ تھا۔ پھر یکایک خدائی نویداروں کا
خیال کیا تو قدرے اطمینان ہوا مستعد اور اُس کے دوست اُسکے نگراں ہیں
تو کبھی نہ کبھی ان ظالموں کے خچل سے اُسے رہائی ضرور ملے گی بحاموش
لیٹ گئی۔

باوجود تند ہوا۔ بارش اور بجلی کی چمک کے لاری تیزی کے ساتھ جاری
تھی کچھ دیر بعد ایک بڑی موٹر بہت تیز رفتاری سے دہلی کی طرف سے آئی
اور بجلی کی طرح گذر گئی۔ کاش اُسے معلوم ہوتا کہ اس موٹر کا ریس مستود اور
ہرام اُس کی مدد کو جا رہے ہیں۔ کچھ دور چلکر موٹر ایک پل سے گذری، یہ جہنا
کا پل تھا اُس نے خیال کیا کہ وہ دہلی جا رہی ہے، صبح ہونے کو تھی کہ موٹر
ایک پھاٹک پر رکی، اس وقفہ کے درمیان ہیرا بانی نے اپنی ایک شیشہ کی
چوڑی دو سکر ہاتھ سے توڑی اور ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر چوڑی کے ٹکڑے
باہر پھینک دیے۔ رستم جی نے دو بار سیٹی بجائی، پھاٹک کھلا اور لاری
اُٹار کے اندر داخل ہو گئی۔ ایک عجیب وضع کے مکان کے سامنے جا کر رک
گئی۔ رستم جی نے ہیرا بانی کو نیچے اتارا۔ وہ گرد و پیش کی چیزوں کو اچھی طرح دیکھنے
بھی دیا پائی تھی کہ رستم جی نے اُسکا ہاتھ پکڑ کر اُسکے بڑھایا۔ تین چار میٹر ہیاں
پڑھنے کے بعد ایک کمرہ کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔
ہیرا بانی نے اپنے آپ کو مرزا بگرامی کے سامنے کھڑا پایا اور ساری
جان سے لرز گئی۔

اس وقت دہلی کی مخلوق آرام کی نیند سو رہی تھی لیکن مرزا گلبرگ آئی ایکس
کرم خوردہ اور بوسیدہ کشمیری چونہ اور نخل کا کٹوٹ پاپنے ہوئے آرام کو سہی پر
دراڑ تھا۔ آتش دان میں آگ مشتعل تھی۔ ایک کتاب جنہیں دھاتوں کے قلب
ماہیت کرنے پر طویل بحث تھی زیر مطالعہ تھی، میسر پر رکھی اور میرا بائی کیٹون
دیکھ کر مسکرایا۔

”بائی جی، جو تکلیف آپ کو ہوئی اسکا مجھے بہت افسوس ہو لیکن یقین
کیجئے کہ آپ یہاں آرام رہیں گی۔“

میرا بائی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن رستم جی نے دریافت کیا۔

”کیا آپ انھیں اپنی کوٹھی میں رکھنا چاہتے ہیں؟“

”نہیں، یہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر جو دہلی کے پراسٹوٹانہ

میں بڑی بڑی شانہ لوویں کی آرام گاہ رہ چکی ہے۔ اور آپ کی چھو کری مکلا
کہاں ہو؟ میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی دو چار دن بائی صاحب کے ساتھ رہے
اور دل بہلائے۔“

میرا بائی بالکل بے بس تھی، سوائے خاموشی کے کوئی چارہ نہ تھا لیکن
دل میں یقین تھا کہ خدائی فوجدار خصوصاً مستود اس کی مدد کو کبھی نہ کبھی
ضرور پہنچے گا۔

مرزا گلبرگ آئی نے میرا بائی کا ہاتھ پکڑا دروازہ کھول کر باہر گیا۔ مکلا بائی
برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھی کھٹکھٹ رہی تھی۔ رستم جی نے اسے ساتھ لیا
اور گلبرگ آئی کے پیچھے ہولیا۔ مغربی گوشہ میں قدیم عمارت کا کھنڈر عمتا۔

وہاں پہنچ کر بلگرامی نے ایک جگہ سے اینٹیں اور مٹی پر سے مٹائی اور ایک لوہے کا پیٹ کندہ پکڑ کر اٹھایا۔ زینہ اتر کر نیچے پہنچا اور ذرا دیر میں تہ خانہ برقی روشنی سے منور ہو گیا۔ کملابائی کو نیچے اترنے پر تامل تھا لیکن رستم جی کے سمجھانے پر وہ بھی آگئی۔ بڑے کمرے میں دو نفیس پتنگ اور چند کریاں تھیں۔ ایک طرف صندوق میں نئے کپڑے بھرے تھے چھوٹی مینر پر پھولوں کا گلہ سترہ۔

مرزا بلگرامی نے صندوق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”بائی صاحب، اس صندوق میں ہر قسم کے کپڑے ہیں، اُمید کلاپ انھیں پسند کریں گی۔ اُس الماری میں طرح طرح کی کھانے کی چیزیں ہیں ہر روز آپ کو تازہ دودھ اور گرم کھانا یہاں بھیجا جائیگا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ یہاں آرام سے رہیں گی۔ مہربانی کر کے دن کے وقت روشندان پر پڑھ ڈال لیا کیجئے گا۔“

رستم جی کملاکو برابر کے کمرے میں لے گیا۔ اُسیں بھی نئی وضع کا سامان تھا۔ ایک طرف سنگ مرمر کا غسل خانہ جس میں پانی کا نل لگا ہوا تھا کملابائی نے کہا

”لیکن باہر جانے کا راستہ کون سا ہے؟ اس کمرے میں بند پڑے پڑے گھبرا جاؤں گی۔ ٹہلنے اور چیل قدمی کرنے کی جگہ کہاں ہو؟“

”بیادری کملاخور سے سنو، بیشک یہ جگہ تمھارے رہنے کے لائق نہیں ہے۔ تمھیں دو چار دن سے زیادہ یہاں رہنا نہ پڑے گا۔ کل شب کو میں

اُس گکا اور تھیں باہر سیر کے لئے لے جاؤں گا۔ اُس وقت تک خاموشی سے دوڑ کرے میں ہیرا بابی کے ساتھ رہو اور اُسکا دل بہلاؤ،

”اور ہیرا بابی کا کیا حشر ہوگا؟“

”کچھ نہیں، وہ چند روز یہاں قیام کریگی۔ لیکن اطمینان رکھو کہ اُسکا بال تک بچکانہ ہوگا“

”تو پھر اُسے قید میں کیوں رکھا ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں

آتا“

”مسئلہ یہ ہے کہ ہیرا بابی ایک بہت بڑی دولت کی مالک ہے جو

ریاست بھوپال میں زیر زمین دفن ہے۔ کروڑوں کا سونا جو تمہارے وہم و خیال میں بھی نہ ہوگا۔ اگر تاریخ مقررہ تک ہیرا بابی اس جائیداد کا دعوے کرنے سے قاصر رہے گی، تو یہ ہمارے قبضہ میں آ جائے گی اور ریاست بھوپال سے ہمیں اجاد مل جائیگا“

”اب میں سمجھی، میرا شک رفع ہو گیا، بہتر ہے، میں ہیرا بابی کیساتھ رہوں گی اور اُسکا دل بہلاؤں گی۔ وہ بڑی اچھی اور بھولی لڑکی ہے، اور

آشدان کے پاس کالی بانات کے غلاف میں کیا رکھا ہو؟“

ہاں اس کے متعلق کہنا بھول گیا۔ بلڈرامی کی سخت ہدایت ہے کہ اسے کوئی نہ چھوئے۔ خیردار اس کے پاس نہ جانا“

”بہت اچھا، تو کل شام کو مجھے تھیں لے چلو گے؟ لیکن...

”ضرور، لیکن کے بعد کیا کہنا چاہتی تھیں“

”اس وقت مجھے خدائی فوجداروں کا خیال آیا۔ اُن کو میرا بانی کے قید ہونے کا پتہ چل گیا تو خیر نہیں، پہلے بھی تو یہی مردار اسے تھپڑ سے چھین لے گئے تھے“

”وہ بد معاش ہمارا کیا کر سکتے ہیں۔ اُن سے ناحق ڈرتی ہو۔ آج

نہیں تو کل کسی سانپ کے کاٹنے سے ختم ہو جائینگے“

سانپ کا نام سُن کے کھڑا بانی لرز گئی۔ رستم جی کے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی جہاں مرزا بلگرامی جیبوں میں ہاتھ ڈالے متانت کے ساتھ اہمکا انتظار کر رہا تھا۔

”اے رستم جی، بانی صاحبہ راکم کرنا چاہتی ہیں“

دونوں لڑکیوں کو خدا حافظ کہا اور زینہ پر چڑھ گئے۔ پٹ بندھا اور اسکے اوپر کسی بھاری چیز کھسکنے کی آواز آئی۔

باب ۲۲

تلاش اور تہیہ

مرزا بلگرامی اپنے کمرے میں واپس آیا اور آرام کرسی پر دراز ہو گیا۔ باہر جانے سے پہلے جو کتاب دھاتوں کی قلب ماہیت کے متعلق پڑھ رہا تھا میز سے اٹھائی اور بند کر کے ایک طرف ڈال دی اور سوچنے لگا۔

”اب اس کی کیا ضرورت ہے۔ میں تمام عمر کمیا کی تلاش میں سرگرداں رہا اور کچھ کامیابی بھی حاصل کی لیکن اب مجھے کمیا کی تجزیوں کی ضرورت نہیں، لال کٹھور کا مشہور خزانہ چند روز میں سیکر قبضہ میں ہو گا اور میں ہندوستان کے مالدار ترین آدمیوں میں شمار ہوں گا۔“

مرزا کا مریہ ہمارے جو کچھ دنوں سے بھوپال کے جنگلوں میں لال کٹھور کی تلاش میں گیا ہوا تھا مدہمی واپس آ گیا تھا۔ اُس کے بیان کے بموجب گو کھلے نے وہ رقبہ تلاش کر لیا تھا جہاں یہ خزانہ مدفون ہے۔ اُس نے بھوپال کے دفاتر میں تفتیش کی تھی اُسکے بموجب موجودہ اجارہ کی تاریخ ایک ہفتہ میں ختم ہو جائیگی۔ اگر فرید جی کی وارثہ نے اس عرصہ میں تجدید اجارہ کی عرضی پیش نہ کی، اس اجارہ سے ریاست گو اب تک کوئی فائدہ نہ پہنچا تھا

فریدوں جی کو برائے نام محصول ادا کرنے پر اجارہ مل گیا تھا کیونکہ سرکار عالیہ کو اسکی حسن خدمات کا صلہ دینا مقصود تھا۔ اگر موجودہ اجارہ کی میعاد ختم ہونے پر ایک گراں قدر رقم ادا کی جائے اور نئے کے اعمال کی مٹھی خاطر خواہ گرم کی جائے جبکہ ہمارے بند و بست کر آیا ہے اس علاقہ کا اجارہ ملنا بالکل آسان ہے۔ ذرا کے ساتھ اصل اجارہ کی سند بھیجا ضروری ہوگی جس کے لانے کے لئے اُسکے شاگرد لالہ بنارسی داس کی کوٹھی پر مامور ہو چکے ہیں اور کوئی دم میں سند لیکر واپس آتے ہونگے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ ہیرابائی کا کیا کیا جائے۔ دوسرے لوگوں کی طرح اُسے سامنے کا شکار بنانا بالکل آسان تھا لیکن بولیس اور خدائی فوجدار انکی تلاش میں نکلیں گے اور اس تہ خانہ میں اُسے ہلاک کرنا خطرہ سے خالی نہیں۔ پھر کچھ خیال آیا، کرسی سے کھڑا ہوا آئینہ کے پاس جا کر اپنی شکل دیکھی اور مسکرایا، دراز سے ایک خط نکالا، یہ کسی غیر معروف مولوی کا تھا جس میں نکاح کے متعلق رائے تحریر تھی۔

”لڑکی اگر بالغ ہے تو بلا اُسکے رشتہ داروں اور ولی کی موجودگی کے نکاح ہو سکتا ہے۔ صرف دو گواہوں کی موجودگی کی ضرورت ہے جس کا آپ آسانی بند و بست کر سکتے ہیں، نکاح میں پڑھاؤ لگا۔“

میرزا بلگرامی معاملہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کا عادی تھا۔ ہیرابائی کے ملنے کی اُمید پر اُسکے ساتھ نکاح کرنے کی ضرورت پر کافی غور کر چکا تھا اس میں صرف یہ قباحت تھی کہ اسکی بیوی بلگرامی باوجود جس کی تعریف اور توصیف سے مرزا کے اخبار اور روزنامے بھرے پڑے تھے، نہ اس وجہ سے کہ اُسکے

ساتھ اُسے محبت تھی بلکہ محض اشتہاری نقطہ نظر سے، اس نوجوان پارسن کے ساتھ شادی کرنے پر کیا رویہ اختیار کرے گی۔ اُسے اندیشہ تھا کہ بگ لڑکی باؤ کے ایک ہاتھ میں مرزا کی داڑھی ہو، دوسرے میں کامدار جوتی اور اس کی چندیا پر پٹیا پٹ کی آواز۔ بگ لڑکی باؤ کے غصہ کا خیال کر کے خدائی فوجدار کے انتقام اور افسران پولیس کی توجہ کو تھوڑی دیر کے لئے بھول گیا۔

لتنے میں کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ مرزا نے کہا۔

”کون ہے؟ مولّا، اندر آؤ“
 دروازہ آہستہ سے کھلا اور ایک آدمی اندر آیا جسے دیکھ کر مرزا چونک پڑا۔

”بندو با تم، تم....“

”جی حضور، میں حاضر ہوں“

”کیا آج بھی ناکامیاب واپس آئے؟“

”نہیں حضور، میں نے دو مرتبہ سانپ کو چھوڑا، ایک مرتبہ

بجائے مستود کے کنور بکرم سنگھ کو جاڈ سا اور مجھے یقین ہے کہ اب تک اسکا کام تمام ہو گیا ہو گا۔ دوسری مرتبہ سانپ نے اس انداز سے جست کی کہ غریب مولّا کو کاٹ لیا اور وہ مر گیا“

”ہائیں! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”معلوم ہوتا ہے مہنہ میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی ہے نشانہ صحیح

نہیں لگتا۔ علاوہ اسکے حضور خیال فرمائیں آخر سانپ جانور ہی تو ہو

جس وقت کاٹنے پر آتا ہے دوست دشمن کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ بیچارہ سولا ڈاڑی میں مر گیا۔ شکر ہے کہ میں خود بچ گیا۔“

یہ کہہ کر مسکرایا۔ مرزا نے اپنے وفادار مرید کی موت کا حال خاموشی سے سنا اور دل میں کچھ ارادہ کیا۔ پھر بندہ کی طرف ہاتھ پھیلا یا۔ بندہ نے اپنی جیب سے سگریٹ کیس نکال کر مرزا کے سپرد کیا، مرزا نے باقی سگریٹوں کو گنا، منال کو اپنی جگہ پایا اور بندہ کر کے میز کی دراز میں مقفل کر دیا۔

”بندو، تم بڑے خطرہ میں ہو، پولیس تمہاری تلاش میں ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کہاں چھپایا جائے“

”خضر، تہ خانہ بڑی اچھی جگہ ہو“

”یہ ممکن نہیں، اس وقت وہاں کوئی اور ہے تمہارے لئے کسی مری جگہ بندوبست کرنا چاہیے“

کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ مرزا اٹھا اور ایک گوشہ میں الماری کی طرف بندہ کو اشارہ کیا۔ بندہ نے پٹ کھولا اور نیچے کے تہ خانہ میں چھپ گیا۔ مرزا نے دروازہ کھولا، انسپکٹر قارحین اور اُسکے ساتھ چند کانستبل تھے۔

”آپ ہیں، انسپکٹر صاحب، خیریت تو ہے جو ایسے نا وقت تکلیف فرمائی ہے“

”آپ مجھے اندر آنے دیں تو کچھ کہوں“

مرزا دروازہ کا صرف ایک پٹ کھولے ہوئے باتیں کر رہا تھا تاکہ افسر پولیس کے اندر آنے سے پہلے بندہ الماری کی پشت کا تختہ اٹھا کر کمز

کے باہر چلا جائے،

”اے، اس وقت سردی بہت ہے، اجازت ہو تو ایک پیالی چائیں کر دوں، کیا ڈپٹی کمشنر صاحب یا کپتان صاحب نے ہندو مسلمانوں کے تعلقات کے سلسلہ میں مجھ سے مشورہ کرنے کے لئے آپ کو بھیجا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں گورنمنٹ کی خدمت کے لئے ہر وقت حاضر رہتا ہوں“ انپکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔

”مرزا صاحب! آپ غلطی پر ہیں، اس وقت ہمیں نہ آپ کی جاسوسی کی ضرورت ہو نہ آپ کی سرگرمی اور اشتہار بازی سے کام لینا ہے۔ اس وقت مجھے میرا بانی کی تلاش ہے“

”میرا بانی کی تلاش ہے تو میرٹھ جاؤ۔ وہ میرے ہاں کئی دن ہوئے ملازمت کی تلاش میں آئی تھی۔ لیکن کام شروع کرنے سے پہلے واپس چلی گئی“

”جلی بیشک گئی تھی۔ لیکن ابھی تھوڑی دیر ہوئی تمہارے گرگے اُسے زبردستی یہاں لے آئے ہیں، میرے پاس کافی ثبوت موجود ہے“

”انپکٹر صاحب، معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی، مجھ جیسے خدا پرست صوفی سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ کسی معصوم لڑکی کو اس طرح ستایا جائے۔ اخبار میں اشتہار دیکھ کر میرا بانی خود یہاں آئی تھی اور اپنی خوشی سے چلی گئی۔ لڑکی ہوشیار اور مصوری میں مشاق تھی۔ مدرسہ کی لڑکیوں کو خوب پڑھاتی، لیکن میرے پاس بہت سی درخواستیں آئی ہیں، دوسری مسئلہ

ملجائے گی“

”مرزا صاحب! آپ اپنے تقدس اور قومی خدمت کا مظاہرہ میرے سامنے نہ کیجئے۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ معلمہ گیری کے بہانے سے آپ اس لڑکی کو اپنے قبضہ میں نہ لانا چاہتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ اس سے آپ کا کیا مقصد؟ اس سازش کا تمام راز مجھے معلوم ہے یہ لڑکی ایک بڑی دولت کی وارث ہے اور تم چاہتے ہو کہ ۱۶ فردری سے پہلے اُسے سرکار بھوپال میں ضابطہ درج و پیش کرنے سے باز رکھو اور خود اس دولت پر قبضہ کر لو۔“

افشار راز سے اگر مرزا کو حیرت ہوئی تو اس کا اظہار اُسکے بشرے سے مطلق نہیں ہوا اور اُس نے بڑے اطمینان سے کہا

”یہ سب قصہ کہانی ہے مجھے اسکی بابت کچھ نہیں معلوم، ممکن ہے کہ کہرم اور اُسکے دوستوں نے آپ کو غلط اطلاع دیکر میری جانب سے بدظن کیا ہو۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ جیسا تجربہ کار اور جہاندیدہ پولیس افسران لوگوں کے دھوکے میں آگیا۔ بہرام کے قزاقی کے افسانے کون نہیں جانتا۔ مگر افسوس ہے دنیا کا اسوقت رنگ نرالا ہے۔ یہ بد معاش کھلے بندوں آزاد پھرے اور پولیس کا دست راست بن جائے اور مجھ جیسا فقیر منہ صوفی جس نے برسوں ملک اور قوم کی خدمت کی ہو اس طرح مشتبہ کیا جائے۔ آپ ہیرا بابی کی کھوج میں آئے ہیں تو بسم اللہ، مکان موجود ہے، تلاشی لیجئے۔ میں آپ کے وارنٹ تلاشی کے دیکھنے کا بھی اصرار نہ کروں گا۔“

انپکٹر وقار حسین کے آدمیوں نے گھر کا محاصرہ پہلے ہی کر لیا تھا۔ ایک

افسر کی مدد سے مکان کے تمام کمرے اور بالائی حصہ دیکھا گیا مگر بالکل خالی پایا
دفاع حسین نے مڑا کی نشست گاہ کے ہر ایک گوشہ کو دیکھا بالآخر المارنی
کھلائی وہ بھی خالی تھی۔ بند و پشت کا تختہ ہٹا کر کبھی کا باہر جا چکا۔

”انسپکٹر صاحب، اب تو آپ کو اطمینان ہوا۔ ہیرا بائی کوئی سوتی تو
نہیں ہے جو غائب ہو جاتی۔ اچھی خاصی تندرست و توانا عورت یہاں کئی
ہوتی تو کیسے غائب ہو جاتی۔ اب شاید آپ احاطہ اور پُرانے مکان کے
کنڈرین تلاش کریں گے۔“

”مرزا بلگرامی، تم بڑے چالاک ہو اور میں اقرار کرتا ہوں کہ میں تمہارا
مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر یاد رکھو معاملہ ملی ماران میں چند لوگ ایسے ہیں جو تمہاری
مجرمانہ زندگی کو بے نقاب کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ تم میری رائے پر عمل
کرتے اور اس لڑکی کو حوالہ کر دیتے تو بہتر تھا۔ تمہارے ساتھ معمولی قانونی
کارروائی کی جاتی اور ممکن تھا کہ تمہاری گذشتہ خدمات کے صلہ میں حکام
بالادست تمہارے تصور کو نظر انداز کر دیتے۔ لیکن خدائی فوجدار قانون
کی پابندی کو چنداں ضروری نہیں سمجھتے، اُن لوگوں نے اس لڑکی کو ڈھونڈ
نکالا تو یاد رکھو کہ لال کٹھور کی تلم دولت بھی تمہیں نہ بچا سکے گی۔“

”انسپکٹر صاحب مجھے آپ کی باتوں پر تعجب ہو۔“
”تعجب ضرور ہو گا۔ مگر جو کچھ کہتا ہوں وہ ہو کر رہے گا۔ اب
بھی وقت ہے۔ اپنے تقدس اور پیری مریدی کی آڑ میں تم بہت جرائم
کر چکے۔ اب انتقام کا وقت قریب ہے۔ پولیس اگرچہ تمہارے

سانپ کی ماہیت معلوم کرنے میں ناکامیاب رہی، مگر یہ لوگ اس سے
 بھی واقف ہیں؟
 ”سانپ کیسا؟ کیا میں کوئی پیسل ہوں، صاف بتائیے معموں میں
 باتیں نہ کیجئے“
 انسپکٹر وقار حسین نے کچھ جواب نہ دیا اُس نے مرزا کو تنبیہ کر دیا تھا۔ اگر
 وہ اس تنبیہ سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتا تو وہ دن دُور نہیں کہ بہرلم اور
 اُسکے دوست اُسکی مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کر دیں گے۔

باب

مایوسی

جس وقت مہراب جنگ اور مستعد میرٹھ پہنچے صبح ہو رہی تھی، موٹر کو شیریں بائی کے مکان کے سامنے سڑک پر جھوٹا۔ پچھاٹک کھول کر احاطہ میں گئے، برآمدہ میں پہونچ کر سوچ ہی رہے تھے کہ اتنے سویرے جگایا جائے یا نہیں، کہ شیریں بائی نے دروازہ کھولا۔ اُسکی متوش اور پریشان صورت کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ کوئی حادثہ پیش آیا۔

”بائی صاحبہ! تسلیم خیریت تو ہو؟“

شیریں بائی کی آنکھوں سے پھل پھل آنسو جاری ہو گئے

”آپ اندر آئیں تو بتاؤں“

دونوں دوست نشست کے کمرے میں گئے اور کوچ پر بیٹھ گئے

شیریں بائی نے لمبی سانس لی اور کہا

”یہ میری غلطی ہے۔ میں نے مہرا بائی کو تنہا کمرے میں سوئے دیا میں ہاں

ہوتی تو شاید یہ بات نہ ہوتی“

”بتائیے تو سہی کہ ہوا کیا اور مہرا بائی کہاں ہو؟“

”افسوس! ہیرا بائی رات کو غائب ہو گئی۔ معلوم نہیں اس وقت کہاں اور کس حالت میں ہے۔“ ہائے! وہ کون سی گھڑی تھی کہ میں نے اپنی بیٹی کو تکیا جانیے دیا۔“

پھر رونے لگی اور چکیاں بندھ گئیں۔

”بائی صاحب۔ میں آپ کے ساتھ بڑی ہمدردی ہے اس معاملہ میں ہم بھی تصور وار ہیں کہ اسکی حفاظت کا معقول بندوبست نہ کیا، جو آدمی پاسبانی کے لئے مقرر کئے گئے تھے انھوں نے غفلت سے کام لیا۔“

وہ آپ کا تصور ہے نہ آپ کے آدمیوں کی غفلت، درگاہ پر شاد اپنے زخم کی وجہ سے نیم پوشی کی حالت میں تھا، ہانٹھے خاں اُس نے دن بھر اور رات کے ۱۲ بجے تک مستعدی سے پرو دیا۔ پھر بارش ہونے لگی۔ اور وہ پشت کے برآمدہ میں بیٹھ گیا۔ یہ گمان بھی نہ تھا کہ صدر دروازہ کی طرف سے آکر میری بچی کو اس طرح دھوکہ دے گی۔“

”تو کیا آپ کو خیال ہے کہ کسی عورت کا کام ہو؟“

”جی ہاں، غلام گردش میں زنانہ انگریزی جو تہ کے صاف نشان بنے ہیں، کوئی مرد ہوتا تو ہیرا بائی ہرگز دروازہ نہ کھولتی۔“

”لیکن بائی صاحب! برآمدہ میں دو مردوں کے پیر کے نشانات پائے گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت دھوکہ دیکر اندر آ گئی پھر اس کے ساتھ۔“

”ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو اور یہ دیکھئے۔“

الماری سے ایک بول جس میں ربڑ کی نلکی اور ایک گیند لگی تھی دکھائی
 ”یہ کوچ کے قریب پڑی ملی۔ معلوم ہوتا ہے میری بچی کو دوانگھا کر
 بیٹوش کیا گیا۔“

دن نہکل آیا تھا اور دونوں دوست رات کی مصروفیت کی وجہ سے
 بہت تھکے ہوئے تھے اور فوراً واپس جانا چاہتے تھے لیکن شیرس بائی
 نے اصرار کیا کہ چاؤ تیار ہے۔

شیرس بائی باورچخانہ کی طرف چاؤ اور ناشتہ کے انتظام کے لئے گئی۔
 میز پر چنکرکتا میں رکھی تھیں، مستود نے ایک کتاب اٹھائی اُسکے شروع
 میں ایک سادہ ورق تھا جس پر آرائی کے پورے دستخط تھے۔ اُسے پھاڑ کر حجب
 میں رکھا۔ مہربان جنگ نے کہا۔

”یہ کیا حرکت، اسے کیا کر دگے؟“

”کچھ نہیں، لڑکی خوشنما ہے، مجھے تحریر کے نمونوں کے جمع کرنے کا
 خط ہے۔“

مہربان جنگ نے ٹیلیفون کے پاس جا کر سلسلہ دہلی سے ملایا۔

”کون ہے؟..... لوک بہادر“

”تم کہاں سے باتیں کر رہے ہو؟“

”میسر ٹھہرے، ہم یہاں آئے تو معلوم ہوا کہ رات کو میسر آباں
 غائب ہو گئی؟“

”یہ مجھے پہلے سے معلوم ہے۔“

”یہ کیوں کر؟“

”تم لوگ رات کو لالہ بنارسی داس کی حفاظت میں اس قدر مشغول تھے کہ اس غیبی لڑکی کی طرف سے غافل ہو گئے۔ مجھے اس کا اندیشہ تھا اور رات کو جہنا کے پل کے قریب کھڑا ہو گیا۔ صبح ہونے سے پہلے بلکرامی کی موٹر لاری سیٹھ کی طرف سے آئی۔ میں بھی بلکرامی کے گھر تک پہنچا۔ پٹھانک بند تھا لیکن پٹھانک کے قریب شرتی رنگ کی چوڑی کے چند ٹکڑے ملے ہیرا بانی اس قسم کی چوڑی اس رات کو جب تم تھیںٹر سے اُسے لائے تھے پہنے ہوئے تھی“

”پھر کیا ہوا“

”کچھ نہیں، میں نے انکیٹر دقا حسین کو ٹیلیفون کیا، وہ فوراً بلکرامی کے مکان پر گئے اور ملاشی نی، مگر نا کامیاب واپس آئے۔“

جنگ بہادر اور مستودہ نا شتم کر کے شیریں بائی سے رخصت ہوئے اور دہلی پہنچے۔ رات بھر کمر جلا گئے اور کھکے ہوئے تھے لیکن ان لوگوں کو کام کے وقت آرام اور نیند سے کیا واسطہ تھا۔ جلد جلد غسل کیا، کپڑے بدلے اور مینوں دوست معاملہ کی اہمیت پر غور کرنے لگے۔

مستودہ نے کہا

”میرا قصد تھا کہ آج مرزا بلکرامی کی مجاہدہ زندگی کا خاتمہ کر دوں اور خلقت کو اس اشتہاری صوفی اور وفاباز پیر کی سرگرمیوں سے نجات دلاؤں۔ لیکن ہیرا بانی جب تک اُس کی قید سے آزاد نہ ہو، مجھے اپنا ارادہ ملتوی

کرنا پڑے گا۔

جنگ بہادر نے مستو کے ساتھ اتفاق کیا۔

”میری بھی یہی رائے ہو۔ مگر وقار حسین اور دوسرے افسران پولیس اس معاملہ میں ہمارے شریک ہیں، ایسی حالت میں بلگرامی کا خاتمہ کرنا اپنے آپ کو قانون کی زد میں لانا ہے۔“

”یہ صحیح ہے، لیکن پولیس کو شک بھی نہ ہوتا کہ یہ ہمارا کام ہے۔ بلگرامی معرادی ہے۔ دو تین دن بیمار رہتا اور پھر قضا کر جاتا۔ اس کا انتظام بالکل آسان تھا۔ اس وقت پہلا کام یہ ہو کہ بہیرا بانی کو آزاد کیا جائے۔“

”مستو، اگر تم تھکے نہیں ہو تو موٹر لے آؤ، رستم جی سے آخری بار ملاقات کرنا ضروری ہو۔ ممکن ہو کہ اس کی چھو کری کملابانی سے جوڑت بہیرا بانی کے گھر گئی تھی کوئی بات معلوم ہو سکے۔“

تھوڑی دیر بعد احت منزل پہنچ کر جنگ بہادر نے کملابانی سے ملنے کی خواہش کی۔ ملازم نے کہا۔

”بانی صاحب یہاں نہیں ہیں، لیکن سیٹھ جی موجود ہیں، آپ ان سے ملنا چاہیں تو آئیے۔“

مہراب جنگ نشست کے کمرے میں داخل ہوا جہاں رستم جی رات کی کایاں پر بہت خوش ایک آرام کرسی پر دراز کھلی ہوئی کھڑکی سے اپنے خوشنما اور وسیع باغ کے پھولوں کو دیکھ رہا تھا۔ کرسی سے کھڑا ہوا اور بڑے تپاک سے مہراب جنگ کا خیر مقدم کیا۔

”کنور صاحب، سنتا ہوں آپ کو پھول بہت مرغوب ہیں، اس کھڑکی سے پھولوں کی کیاریاں کیسی بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ اب کی بار پھولوں کی نمائش میں غالباً میرے پھول بہترین خیال کئے جائیں گے۔“ لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نمائش کے وقت تک یہاں ہونگے یا نہیں؟

”اس میں شک کرنے کی وجہ؟“

”صرف یہ کہ جو شخص مرزا بلگرامی جیسے خطرناک مجرم کے گردہ کا سرگرم ممبر ہو، اس کا قانون کی سخت گیری سے بہت دنوں تک محفوظ رہنا قرین قیاس نہیں ہے۔ بلگرامی کے جرائم پیشہ زندگی کا پیالہ لبریز ہو چکا ہے۔ پولیس اُسکے پیچھے سکاری سکتے کی طرح لگی ہوئی ہے اور آج نہیں تو کل وہ اپنی کینفر کردار کو پہنچ جائیگا۔“

”بلگرامی جیسے خدا پرست اور متقی آدمی کو آپ ناحق بدنام کرتے ہیں اگر یہ صحیح بھی ہے تو مجھ سے اس سے کیا تعلق؟“

”جو شخص تمھاری طرح اپنی داشتہ عورت کملابائی کو ہمیشہ کے تبرک لقب سے پکارے اور پھر اُس کے ذریعہ سے ایک بے قصور، اور بھولی لڑکی کو دھوکہ دے کر اُس کے گھر سے مرزا کے اشارہ پر بھگایا جائے وہ مرزا کے جرائم کا ضرور جواب دہ ہوگا۔“

”کملابائی کہاں ہے؟ میں اُس سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

”وہ یہاں نہیں ہے کل لاہور گئی۔“

”لیکن رات کو تمھارے ساتھ سیٹھ گئی اور میرا بانی کے ساتھ دہلی

واپس آئی“

”آپ کی اطلاع غلط ہے۔ وہ اسوقت لاہور میں ہے اور میں کل سے کہیں باہر نہیں گیا“

”میری اطلاع صحیح نہ ہو، لیکن پولیس نے مقتبر اطلاع کی بنا پر تمھاری گرفتاری کا وارنٹ حاصل کیا ہے“

اس کا سننا تھا کہ رستم جی چند لمحوں کے لئے پریشاں ہو گیا، سگرٹ ہاتھ سے گر گیا۔ اور کرسی پر بھل گئے بیٹھ گیا۔
مہربان جنگ مسکرایا۔

”کیوں سیٹھ صاحب، وارنٹ کا ذکر سنتے ہی آپ کے حواس باختہ ہو گئے۔ اثبات جرم کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے“
”سنو بہرام، تم خود دہلی کے سب سے بڑے مجرم ہو، میں تمھاری سرگرمیوں سے خوب واقف ہوں، خیریت اسی میں ہے کہ ہمارے راستہ سے ہٹ جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کسی دن بلگرامی کے سانپ کا تمھارا ہوجاؤ“

”سانپ نے ہم پر رات ہی کو وار کیا تھا مگر ہم سب دوست زندہ ہیں۔ تم اپنی خبر لو۔ تم سمجھتے ہو کہ میرا بانی کو قید یا قتل کر کے اُس کی دولت حاصل کر لو گے۔ لیکن یہ ہرگز نہ ہوگا، اگر بلگرامی کے سانپ نے تمھیں جلد نہ ڈسا تو یاد رکھو کہ تم ہماری دسترس سے نکل سکو گے۔“

تیرا بانی کہاں ہے؟“
 ”تھیں خدائی فوجداری کا دعویٰ ہے۔ جاؤ خود تلاش کرو اور میرا
 وقت ضائع نہ کرو۔“
 اس اعلان جنگ کے بعد ملاقات ختم ہوئی۔

باب تہ خانہ

ہیرا بانی کو خطرہ کا پورا احساس تھا، بہت غور کیا لیکن اُسکی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس تصور کی پاداش میں اُسکے ساتھ یہ سلوک کیا جا رہا ہے اور مرزا بلگرامی جو عام طور پر مذہبی اور مقدس آدمی سمجھا جاتا ہے، ایسا شقی القلب کیوں ہو گیا کہ اُسے تہ خانہ میں قید کیا ہو اور اپنے سے دور رکھنا گوارہ نہیں کرتا۔ کوئی اور آدمی ہوتا تو اُسے اپنی عزت اور ناموس کو معرض خطر میں ہونے کا اندیشہ ہوتا۔ لیکن مرزا بلگرامی جو ایک تاریخی خانقاہ کا مجاور، تبلیغ و اشاعت مذہب کے کاموں میں پیش پیش، کئی ایک اخباروں کا ایڈیٹر اور مدرسہ کا مہتمم ہونے کے علاوہ پیری مریدی کے سلسلے میں بھی ایسا مشہور ہو اُس سے سوائے نیکی اور حسن سلوک کے اور کچھ اُسیدہ میں ہو سکتی۔ سو کرا اُٹھی تو اپنے قریب کھلا بانی کو دوسرے پلنگ پر انگڑائیاں لیتے پایا۔ اُسے قدرے اطمینان ہوا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔ کھلا بانی نے بالوں کو درست کیا، اپنی ساری سنبھالی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ ہیرا بانی کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور دریافت کیا، ”کہو بہن، کیسی ہو؟ مجھ سے خفا تو نہیں ہو؟“

”خبردار! مجھے بہن نہ کہہ کر بکارو۔ تم نے مجھے بڑا دھوکہ دیا، تمہیں شرم

نہیں آتی۔“

”اس میں میرا کیا قصور ہے، بھائی صاحب نے جو کہا وہ میں نے کیا، لیکن اُنھوں نے اطمینان دلایا ہے کہ بھٹارا بال تک نہ بچا ہو گا۔“

”پھر مجھے یہاں کیوں قید کیا گیا ہے؟“

”یہ مجھے نہیں معلوم، لیکن ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔“

”آخر کب تک اس تاریک تہ خانہ میں رہوں گی؟“

”یہی بانجھ چھ دن۔ یہاں بھتیس تکلیف ہی کیا ہے۔ ہر طرح کا آرام ہے کھانا باغیچہ اور مزیدار۔“

پلنگ سے اُٹھی ایک الماری سے پانی گرم کر نیکی کیتلی اور چار کا سامان نکالا، چند لکڑیاں آتش دان میں ڈالیں اور پانی کی کینٹلی رکھ دی۔
بھیرا بانی نے اپنے دل میں خیال کیا کہ کتنا بانی کو اپنی مصیبت کا ذمہ دار قرار دینا بیکار ہے، وہ دوسروں کے ہاتھ میں کھڑے پتلی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔

”کیا تم ہمیشہ اس قسم کا کام کیا کرتی ہو؟“

”نہیں، آخر ہوا ہی کیا ہے؟ تم اپنے گھر سے یہاں آگئیں۔“

”بھائے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہ ہوئی۔ کسی دن بھتیس اور بھٹارے

بھائی کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔“

”رستم جی کو کیا غرض، اُنھوں نے تو مرزا صاحب کی خاطر سے بھتیس یہاں پہنچا دیا ہے تم جانو افسوس مرزا۔“

”مرزا کو بھی کسی دن جواب دینا ہوگا۔“

”میری طرح تم مرزا صاحب کی حالت سے واقف ہو تیں تو ایسی باتیں نہ کرتیں اور خاموش ایک کونہ میں بیٹھی اپنی جان کی خیر مناتی۔“

”برخلاف اسکے مرزا کو چاہئے کہ اپنی خیر منائے۔ خدائی فوجداروں کا انتقام بہت ہی سخت ہوگا۔“

”کون، خدائی فوجدار؟ وہی ناجنہوں نے بندو کے کوڑے لگائے، اور جن کا سردار دہلی کا مشہور قزاق بہرام ہے بندو کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ تمہارے مددگار اور دوست ہیں تو خدا جانے کیا ہوگا۔“

”بندو کون ہے؟“

”بندو کو بھول گئیں، اُس ات کو تعمیر میں سیٹھ بالکن جی سے تم نے راز نیاز کی اتنی باتیں کیں وہ بندو ہی تو تھا۔ کیوں کیسا بھیس بدلتا ہے؟ مگر یاد رکھو وہ آدمی کی شکل میں شیطان ہے، نیم باگل وحشی، اُسکی توجہ بھاری طرف ہوئی تو تمہارے دوست خدائی فوجدار بھی تمہیں نہ بچا سکیں گے۔“

”معلوم ہوتا ہے تم خدائی فوجداروں کی قوت سے واقف نہیں؟“

”کیوں نہیں، بھائی صاحب نے مجھے کئی بار متنبہ کیا، وہ اُن سے بڑی نفرت کرتے ہیں۔ اور شاید ڈرنے بھی ہیں، لیکن ایسے آدمیوں سے ڈرنے کی کیا بات ہے جو خود مجرم ہوں۔“

”تم نہیں سمجھتیں، وہ مجرم نہیں بلکہ شریعہ اور مالدار آدمی ہیں جو خلقت خدا کی

ملہ دیکھو ٹیلی پھیری۔ مؤلفہ ظفر عمر

حفاظت کرتے ہیں اور ایسے ظالموں کو سزا دیتے ہیں جو تمہارے بھائی صاحب یا مرزا بلگرامی کی طرح بے قصور لڑکیوں کو ان کے گھر سے بھگا لاتے ہوں۔“

”خبردار رستم جی کو کچھ نہ کہنا ورنہ تمہیں نوچ لوں گی، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کیسے ٹھاٹھ کا آدمی ہے، جب سیری شادی اُس سے ہو جائیگی تو کیا لطف ہوگا۔“

”بائیں یہ کیا؟ تم انھیں بھائی صاحب کہتی ہو۔“

کملا بائی ہنسی،

”تم بڑی بے وقوف ہو، کسی کو بھائی کہنے سے کیا ہوتا ہو یہ تو دنیا کو دھوکہ دینے کیلئے کہا جاتا ہے تاکہ کوئی انگشت نہائی نہ کرے، یہ آجکل کا فیشن ہے۔ ایک نہیں بیسیوں نئی وضع کی عورتیں جب باہر کسی کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں تو اپنے مرد دوستوں کی بہن بن جاتی ہیں۔ آخر ہونہ دیہاتی، دہلی بہن، لائٹلہ، اور مضوری کی سوسائٹی کو کبھی دیکھتیں تو تمہیں تعجب ہوتا۔“

”خدا مجھے ایسی سوسائٹی سے بچائے۔ اگر دہلی ایسے ہی لوگوں سے آباد ہو تو میں کبھی بھوکے لکڑی اس طرف رخ نہ کروں گی۔“

”تعجب ہو، تمہاری طرح میں ایک بڑی دولت کی وارث ہوتی تو شملہ اور بمبئی کیا ہر سال پیرس اور لندن جا یا کرتی۔“

”میں دولت مند نہیں ہوں، بلکہ بہت غریب ہوں، دولت مند ہوتی تو ملازمت کی تلاش میں دہلی کیوں آتی؟“

”مگر بھائی صاحب تو کہتے ہیں تم سچ مچ سونے کی چڑیا ہو اور بے اندام دولت کی مالک ہو اسی لئے تو تم یہاں لائی گئی ہو۔“

ہیرا بائی کو سخت تعجب تھا کہ مرزا بگرامی جیسا چاق چو بند آدمی اور ایسی غلطی کرے
 شاید کسی اور کے دھوکے میں اسے نظر بند کیا گیا ہے۔
 زینہ کی طرف سے کسی کے پیچھے اُترنے کی آواز آئی، اور چند منٹ میں مرزا بگرامی
 کمرے میں داخل ہوا۔

ہیرا بائی کرسی سے کھڑی ہو گئی اور نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھنے
 لگی۔ مرزا صاحب نے آج معمول سے زیادہ اپنے لباس اور سنگار پر توجہ کی تھی۔
 کشمیری کام کا چوغہ، پھولدار ریشمی گلوبند، لمبی کاکلوں میں خوب تیل لگا ہوا اور
 آنکھوں میں دنبالہ دار سرمہ۔

”باتی صاحب، مزاج کیا ہے؟ یہاں بالکل خاموشی اور تنہائی ہے،
 اُمید ہے کہ آپ نیند بھر کے سوئی ہوں گی۔“
 ”مرزا صاحب! یہ خاموشی کی جگہ آپ کو مبارک۔ میرا قلب الٹا جا رہا
 مرزائی کر کے مجھے گھر جانے دیجئے۔“

”فی الحال آپ اسے ہی اپنا گھر سمجھئے، چند روز کی تکلیف سہی، لیکن پھر
 آپ ہر چیز کی مالک ہوں گی۔ آپ جانتی ہیں میرا کاروبار تمام ملک میں پھیلا
 ہوا ہے، ہر جگہ میرے مرید بکثرت ہیں اور میری کتابیں اور رسالے تمام ملک
 میں شائع ہوتے ہیں، میری اخباری نکتہ چینی سے بڑے بڑے والیاں ملک
 کا جیتے ہیں اور ان کے درباروں میں کھلبلی پڑ جاتی ہے۔ جہاں جاتا ہوں
 عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہوں، دنیا کے لئے میں زاہد خشک ہوں، لیکن
 آپ یقین کریں کہ باوجود ان سب باتوں کے میرا دل ابھی صورت کو

دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اچھی آواز کان میں جاتی ہے تو میں مسرور ہوتا ہوں خدا نے آپ کو حسین بنایا ہے اور علم موسیقی میں آپ اس قدر مہارت رکھتی ہیں! ہیرا بانی کو مرزا کی گفتگو پر تعجب تھا۔

”بزرگی اور برتری کا یہ دعویٰ لیکن یہ بتائیے کہ ایک سبکیں اور غریب لڑکی کو اس طرح مقید رکھنا کس مذہب میں جائز ہے؟“

”آپ اپنے آپ کو قید میں کیوں سمجھتی ہیں، آپ اس وقت بڑے خطرہ میں ہیں چند آدمی آپ کی تلاش میں سرگرداں ہیں، یہ بڑے سفاک مجرم ہیں، ان کی طرف سے آپ کو محفوظ رکھنا ضروری تھا۔ ان کتابوں سے دل بہلائیے، میں پھر آؤں گا اور آپ کو سیر کے لئے چلوں گا۔“

مرزا نے واپس جانے کا ارادہ کیا کھلا بانی نے دریافت کیا۔

”مرزا صاحب مجھے باہر جانے کی کب اجازت ملے گی؟“

”گھبراؤ نہیں آج شام کو، رستم جی نہیں بلجائیں گے، اس وقت تک ہیرا بانی کا دل بہلاؤ، کسی بات کی تکلیف نہو، لیکن دیکھو جو پتل آتش ان کے پاس غلاف سے ڈھکی ہوئی رکھی ہے اسے ہرگز نہ چھونا، نہ اس کے پاس جانا“ مرزا کے چلے جانے کے بعد دونوں لڑکیاں باتیں کرتی رہیں کھلا بانی نے رستم جی کے کارنامے تفصیل سے بیان کئے، تہ خانہ میں ہوا صاف کرنے کے لئے بار بار اگر کی بتیاں جلائی رہیں۔

باب ۲۵

نازک مہم

ہیرا بانی کو غائب ہوئے دو دن ہو گئے تھے، پولیس اور بہرام کی تلاش کے باوجود اُس کے قید ہونے کی جگہ کا پتہ نہ چلا، تجدید معاہدہ کے صرف ۴ دن باقی رہ گئے، اگر اس عرصے میں ہیرا بانی کی درخواست پیش نہ ہوئی تو لال کھٹور کا اجارہ اُسے نہ مل سکیگا، اور یہ دولت یا تو مرزا بلگرامی کے قبضہ میں چلی جائیگی کیونکہ اُسکے گردہ کے آدمی مدت سے اس کی تلاش میں ہیں، اور یا بدستور زبزیں دفن رہے گی، ریاست بھوپال کی اصلی سند نیز لال کھٹور کے معلوم کرنے کی کبھی اس وقت خدائی فوجداروں کے قبضہ میں تھی، ڈاک کے ذریعے دربار بھوپال میں کسی کاغذ کا بھیجا خطرہ سے خالی نہ تھا، کیونکہ مرزا کے آدمی ہر جگہ لگے ہوئے تھے۔ کسی معمولی آدمی کو ایسے اہم اور نازک کام پر مامور کرنا دورانہشی کے خلاف تھا، علاوہ اس کے بلگرامی کے سانپ سے بچ کر کسی آدمی کا بھوپال تک صحیح سلامت پہنچنا مشکل تھا۔

کنور بکرم سنگھ البتہ اپنے رتبہ اور دیانت اور سرگرمی کے لحاظ سے بھروسے کے قابل تھا، علاوہ اس کے سانپ کے زہر سے دہی محفوظ رہ سکتا تھا۔ اسلئے خدائی فوجداروں نے اُسے بلا بھیجا، کمرہ میں داخل ہوتے ہی بکرم سنگھ نے کہا

”میں نے بہت غور کیا اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جس چیز نے مجھے اُس رات کو کاٹا ہرگز سانپ تھا، سانپ کے زہر میں یہ سوزش اور تکلیف کہاں یہ کوئی اور کوئی شیطانی چیز تھی۔ اس تکلیف کو کبھی نہ بھولوں گا۔“

مہراب جنگ نے بکرم سنگھ کو اپنی قریب کر سی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا: ”ہمیں آپ کے ساتھ اتفاق ہے، یہ بیہوشی سانپ نہیں ہے بلکہ ایک خطرناک مجرم کے ہاتھ میں ملک آ رہا ہے۔“

”تم یہ سب جانتے ہو تو پولیس میں اطلاع کیوں نہیں کرتے؟“

”پولیس کو بھی معلوم ہے، لیکن سڑت پولیس بھی مجبور ہو، کنور صاحب اس وقت ہم نے آپ کو سانپ جیسے دھجپ جانور کے متعلق بحث کرنے کے لئے تکلیف نہیں دی بلکہ ہم آپ کو ایک نہایت رازداری اور نازک ہم پر بھیجا جاتے ہیں۔“

”تم لوگ اس قدر دلچسپ اور بخارا کام اس قدر لفریج ہے کہ میں بخاری خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں، لیکن رات جیسا سانپ میری طرف رخ نہ کرے میں نے اُس کے مالک کو دیکھ پایا تو زندہ نہ چھوڑوں گا۔“

مینر پر زور سے ہاتھ مارا اور جوش میں آ کر ٹپٹنے لگا،

”کنور صاحب! آپ بد زہر کا اثر نہیں ہوتا۔ پھر سانپ سے کیا ڈرنا، لیکن ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہ سفر خطرو سے خالی نہ ہو گا، اور آپ کو نہایت بھاری سے کام لینا پڑے گا۔“

”اور کام کیا ہے؟“

”ہم چاہتے ہیں کہ آپ تھو پال جائیں اور ایک ضروری خط ضرور ملے گا۔“

کی خدمت میں خود پیش کریں۔ معاملہ نہایت اہم اور نازک ہے، اور سوائے آپکے ہم کسی اور کو اس کا اہل نہیں پاتے۔“

”یہ آپ کی مہربانی ہے جو مجھے اس قدر بھروسہ کرنے میں اور جانا کب ہو گا؟“
 ”آج رات کو اکسپرس سے، کل کسی وقت یہ کاغذات اعلیٰ حضرت کے ہاتھ میں پہنچ جانا چاہئیں۔“

”لیکن ریاست کا معاملہ ہے۔ دالی ملک سے ملاقات کرنا آسان نہیں ہے۔ لوگ مہینوں سلام کرنے کی آرزو میں بڑے رہتے ہیں، کیا معلوم کب شرف بازیابی حاصل ہو، ریاستوں کی کل فرائض قیامت اور برسوں برسوں کی طرح ہے۔“
 ”کنور صاحب بھوپال ان ریاستوں کی طرح نہیں ہے جن کا آپ کو ایسا تجربہ ہے، وہاں کئی نسبت تک بیگمات کی فرما زو دالی رہی ہے جن نے حسن انتظام اور تدبیر نے ہر طرف سے خراج تحسین حاصل کیا ہے، اور حضور سرکار عالیہ نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ کا عہد حکومت نہ صرف بھوپال بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رہے گا، اور اس بات کا ثبوت ہو کہ اگر موقع دیا جائے تو ہمارے ملک کی عورتیں زندگی کے ہر شعبہ میں کار نمایاں کر سکتی ہیں۔“

”لیکن اب تو وہاں مرد کی حکومت ہے، کثرت مشاغل میں مجھ جیسے آدمی کی وہاں کیا پریشش ہو سکتی ہے۔“

”آپ غلطی پر ہیں، موجودہ فرما زو اے بھوپال نے سرکار عالیہ کے آغوش شفقت میں تربیت پائی، ہندوستان کے بہترین درس گاہ علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کی اور اگرچہ انھیں سند حکومت پر بیٹھے زیادہ عرصہ نہیں گزرا، انھوں نے

اپنی روشن خیالی، تدبیر اور حسن انتظام کی تمام ملک میں قابل تقلید نظیر قائم کی ہو
 سادگی اور سچائی کے لحاظ سے یہ سچا ہی منش حکمران عدیم المثال ہے، اور باوجود
 نو عمری کے والیان ملکوں کی انجمنوں میں انھوں نے اپنے سیاسی تدبیر اور ہوشمندی
 کی بدولت ممتاز ترین درجہ حاصل کیا ہے، یہ بھی سنا جاتا ہے کہ نہ صرف دوسرے
 والیان ملک بلکہ سرکار انگلشیہ کے اعلیٰ حکام اور ہندوستانی لیڈر آج کل کے
 سیاسی مسائل کی گتھیاں سلجھانے میں ان سے مشورہ کرتے ہیں، بھوپال میں ہر چیز
 قاعدہ اور قانون کی پابندی کے ساتھ ہوتی ہے، جو شخص کسی کام سے جاتا ہے،
 ممکن نہیں کہ اُسے وقت ضائع کرنا پڑے، میں نے آپ کی آمد کے متعلق پلیٹری
 سکرٹری کو تار دیدیا ہے، اگر وہ بھوپال میں موجود ہیں تو آپ کو کسی قسم کی
 زحمت نہ ہوگی۔“

”اگر وہ موجود نہ ہوئے تو اعلیٰ حضرت تک پہنچنے کا کیا ذریعہ ہوگا؟“

”آپ براہ راست محل پر جائیے اور کا مدار ڈیوڑھی خاص بھر سامان اتار
 سے بیٹے اور اپنے کام کی اہمیت بیان کیجئے، ان کو اول کچھ پس پیش ہوگا، دو
 ایک بار کلمہ کی اٹھلی پٹائی پر بار کر اپنے دماغ کی نیم خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرینگے
 اور ان کی سمجھ میں آجائے گا کہ اعلیٰ حضرت کی خدمت میں آپ کو پیش کرنا ضروری ہے۔
 اس طرح کل کبھی وقت آپ کو اب صاحب کی خدمت میں یہ کاغذات پیش کر سکیں گے۔“
 ”پھر تو یہ کام چنداں مشکل نہیں۔“

”کنور صاحب! ہم آپ کو صاف بتا دینا چاہتے ہیں کہ بھوپال کا سفر خطرہ
 سے خالی نہیں ہے، مرزا بلگرامی معمولی آدمی نہیں ہے، مجھے یقین ہے کہ آپ

سخت نگرانی میں ہیں اور نہیں کہا جاسکتا کہ آپ پر کس وقت اور کس نہج پر حملہ کیا جائے گا، ان کاغذات کی مرزا کو ہم سے زیادہ ضرورت ہو۔

”میں خطہ کے کاموں سے نہیں ڈرتا۔ کاغذات مجھے دیکھے، میں تیار ہوں
مہرآب جنگ نے اپنے آہنی صندوق سے ایک لفافہ سرسبز نکالا اور مکرم سنگھ
سے دریافت کیا۔

”کیا آپ آج سفر میں ہی کپڑے پہنے ہوں گے؟“

”جی ہاں!“

”مہربانی کر کے اپنا کوٹ اتار لے“

مکرم سنگھ نے کوٹ اتارا۔ مہرآب جنگ نے کوٹ کے استر میں قبضی سے سولہ
کیا، اور لفافہ اندر رکھ دیا۔ مسعود نے سوئی ڈورہ لے کر اس عہدگی سے استر کو
رفو کر دیا کہ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کہیں سے کاٹا گیا ہے۔
مکرم سنگھ نے جوش سے کہا۔

”تم لوگ کپڑا سینے کا کارخانہ کھولو تو بڑی مددنی ہو، کمال کرنے ہو۔“
مہرآب جنگ نے ایک جرمی بیگ جس میں دو تین لفافے سرسبز تھے، مکرم سنگھ
دبا اور ہلاکت کی کہ اس بیگ کا تسلا اپنی پٹی میں باندھ لیں۔

”اسکی کیا ضرورت ہے؟“

”یہ بگرامی کے مریدوں کو دعو کہ دینے کے لئے کیا جاتا ہے، انھیں یہ
خیاں ہوگا کہ اصلی کاغذات اس بیگ میں ہیں اور اگر وہ اپنے حملہ میں کامیاب
ہوئے اور یہ بیگ بھاگے تو جہاں نقصان نہ ہوگا، آپ کے لئے اکسرس کا

ایک درجہ محفوظ کر دیا گیا ہے تاکہ بآرام سفر کر سکیں، یہ تو بتائیے کہ آپ کو وہیہ کتنا درکار ہو گا؟
 ”اسکی فکر نہ کیجئے۔ میرے پاس کافی روپیہ ہے؟“

خدائی فوجداروں سے رخصت ہو کر شرک پر آیا تو ایک تانگہ والا جو دیر
 یہاں کھڑا تھا، تانگہ دوڑاتا ہوا لایا، بظاہر یہ شخص مرزا کا جاسوس تھا، بکرم سنگہ
 اس تانگہ میں نہیں بیٹھا، بلکہ بی مارا ان کے چوراہے پر جا کر دوسرا تانگہ کرایہ پر لیا
 اور اپنے ہوٹل کو روانہ ہو گیا، وہاں پہونچکر اُس نے دیکھا کہ خالی تانگہ اُس کے
 پیچھے پیچھے کچھ فاصلہ پر آیا، اُسے یقین ہوا کہ اُس کی نقل و حرکت کی پوری
 نگرانی ہو رہی ہے۔

باب ۲۶

ریل کا سفر

رات کا کھانا کھا کر کنور کرم سنگھ اسٹیشن پہنچا۔ بیٹی اکسپرس حسب معمول سافٹ سے بھری ہوئی تھی، بکرم سنگھ کے لئے درجہ اول کے ڈبے میں دو سیٹ کا کمرہ پہلے سے محفوظ ہو چکا تھا، ٹکٹ بھی خرید لیا گیا تھا، دہلیس کی دوکان سے چند اخبار اور ریلے خرید کر اپنے کمرہ میں بیٹھ گیا اور اخبار پڑھنے لگا، گھنٹی بجی اور گاڑی چھوٹنے ہی کو تھی کہ ایک عورت نئی وضع کا رقع پہنے ہوئے ایک چھوکرہ کو ساتھ لیے بکرم سنگھ کے کمرہ کے سامنے آکر رکی، چھوکرہ نے بڑی لجاجت اور گھبراہٹ سے کہا۔

”حضور! ان بیگم صاحب کو متھرا تک جانا ہے۔ گاڑی چھوٹنے والی ہے، کیا آپ مہربانی کر کے اپنے درجہ میں بیٹھنے دیں گے؟“

بکرم سنگھ شریف اور متذبذب بنے زادہ تھا، کسی عورت کو تکلیف میں دیکھنا اُسے کب گوارہ ہو سکتا تھا، اخبار ہاتھ سے رکھا اور کمرہ کا پٹ کھول دیا۔

”آپ خوشی سے یہاں بیٹھئے، آپ تنہائی چاہتی ہوں تو میں کسی دوسرے کمرہ میں بیٹھ جاؤں گا۔“

”عورت کے کمرہ میں داخل ہونے ہی گاڑی روانہ ہو گئی، بکرم سنگھ نے

ایک سیٹ سے اپنے اخبار اُٹھائے اور کہا۔
 ”آپ آرام سے بیٹھئے، دوسرے اسٹیشن پر میں کسی اور ڈبے میں جا بیٹھوں گا۔“
 ”یہ درجہ آپ کے لئے محفوظ ہے، آجکی یہ ہمرانی کیا کم ہے کہ آپ نے مجھے
 بیٹھنے کی اجازت دی، میرا سفر جلد ختم ہو جائیگا۔ آپ دوسرے ڈبے میں جا نیکی
 تکلیف نہ اٹھائیں۔“

بکرم سنگہ کھر کی کے قریب بیٹھ گیا اور اخبار پڑھنے لگا، برقع کی ساخت
 انگریزی جو توں کی چمک اور قیمتی دستی بیگ سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ نئی وضع کی
 معمول عورت ہے، جو مردوں سے گفتگو کرنے کی عادی ہے۔ یہ دیکھ کر کہ عورت
 بار بار روشنی کی طرف منہ اُٹھاتی ہے، بکرم سنگہ نے خیال کیا کہ غالباً تیز رفتاری روشنی
 اُسے ناگوار ہے، اخبار علحدہ رکھا، اور روشنی کے بٹن کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
 ”آجکے تیز روشنی ناگوار ہو تو میں گل کئے دیتا ہوں۔“

عورت نے شکر یہ ادا کیا۔ بکرم سنگہ کھر کی سے تنکیہ لگا کر لیٹ گیا، اور آنکھیں
 بند کر لیں، غلطی سے نیلی اور دھیمی روشنی کسی قدر آ رہی تھی تھوڑی دیر خاموشی
 رہی عورت نے دو تین مرتبہ بکرم سنگہ کی طرف دیکھا۔ یہ خیال کر کے کہ بکرم سنگہ پر
 غنودگی کا عالم طاری ہے، اُس نے اپنا دستی بیگ کھولا۔ پھر آہستہ سے ہاتھ بیگ
 میں ڈالا، اور ایک سیاہ رنگ کی کُساں سگریٹ بیسے کی نکالی، بکرم سنگہ سویا نہیں تھا
 اپنی بڑی بڑی ہلکوں کے نیچے سے کبھی کبھی عورت کی طرف دیکھتا تھا، جب اُس نے
 عورت کو اپنی طرف رخ بدلتے اور بیگ سے کوئی چیز نکالتے دیکھا تو اُسے اپنی
 نازک مہم کا خیال آیا اور حطو کا احساس کیا، عورت نے ایک بار پھر بکرم سنگہ کی طرف

دیکھا، کچھ دیر خاموشی رہی، اُس نے پھر ہاتھ اٹھایا اور بیگ میں ڈالا، دستانہ کلائی سے
 کچھ نیچے کھسکا یا تھا، اور بکرم سنگھ نے دیکھا کہ وہ کسی عورت کی نازک درخو بصورت
 کلائی نہیں ہے بلکہ اُس پر سیاہ بال ہیں، فوراً خیال آیا کہ یہ عورت کے لباس میں
 کوئی مرد ہے جو اُسے ہلاک کر کے کاغذات چورانے کے لئے بھیجا گیا ہو، بلکہ اسی کے
 سانپ کی تخلیف ابھی تازہ تھی اور قبل اسکے کہ اُس کا مسافر بیگ سے ہاتھ نکالے،
 بکرم سنگھ نے جبت لگائی اور اُسکی گردن پکڑ لی لیکن عورت نے اپنی کمر سے پتیلی
 نکال کر بکرم سنگھ پر وار کیا، بکرم سنگھ تیزی کے ساتھ دوسری طرف ٹھکرا اور وار خالی
 گیا، اسلٹنا، نیں گردن کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور قاتل کھڑا ہو گیا، بکرم سنگھ
 مضبوط اور تجربہ کار شکاری تھا، باوجود اس کے اُس نے اپنے آپ کو سخت مشکل میں پایا،
 اُسکی جیب میں پستول موجود تھا، لیکن جیب کی طرف ہاتھ بڑھانے کا موقع یا
 گاڑی روکنے کی زنجیر کھینچنے کا وقت نہ ملا، کچھ دیر گاڑی زوری ہوتی رہی اور
 بکرم سنگھ نے موقع پا کر اپنے دشمن کو زور سے دھککا دیا، اور علحدہ ہو گیا، دروازہ کی
 چٹخنی کھلی ہوئی تھی اور دروازہ کھل گیا، بکرم سنگھ دوبارہ حملہ بھی کرنے پایا تھا کہ
 دشمن نیچے کود گیا، ایک پل حکمی مرمت ہو رہی تھی قریب تھا اس لئے ریل سٹ
 آہستہ چل رہی تھی، اور غالباً اسی خیال سے یہ جگہ حملہ کرنے کے لئے تجویز کی گئی تھی
 بکرم سنگھ نے گاڑی کی زنجیر کھینچی، اور کچھ دُور چل کر گاڑی رُکی، لیکن دشمن رات
 کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

رات اندھیری گھٹن اور بدلی چھائی ہوئی تھی اور کچھ بارش بھی تھی
 بندہ وجہ عودت کے بھیس میں بکرم سنگھ کے قبضہ سے کاغذات لانے پر مامور

ہوا تھا، چلتی گاڑی سے کودا، کُنیاں اور گھٹنے ضرور چھلے، مگر ریل کے کنارے کی جھاڑیاں بچا نہتا ہوا ٹرک پر جا پہنچا، کچھ دُور نہر کے پُل پر اُسکے لئے موٹر پہلے سے بھیج دی گئی تھی، اُس میں سوار ہو دہلی چلا گیا، راستہ بھرا بچی ناکا سیابی اور اپنے پیر مرشد کی ناراضگی کا خیال کرتا رہا۔

آدھی رات گزر چکی تھی، ٹھیکن مرزا اپنے فدائی بندہ کی آمد کے انتظار میں سویا نہیں تھا، بندہ نے آہستہ سے دروازہ کھولا، اور اندر آیا، برقعہ اتار کر علحدہ بھینکا، اور ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا، مرزا بگڑامی نے اُسے دیکھتے ہی یقین کر لیا کہ ناکا سیاب واپس کیلے آیا ہے۔ لیکن بجائے ناراضگی کا اظہار کرنے کے نرمی سے کہا۔

”مجھے تمھاری ناکا سیابی پر افسوس ہے، لیکن تمھاری ہیبت کدالی اور گھٹنوں پر زخم دیکھ کر یقین ہے کہ تم نے حتی المقدور کوشش کی، اگرچہ ناکار تمھارے ہاتھ اسے نکل گیا۔“

بندہ نے سب واقعات بیان کئے اور مرزا کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا۔
 ”بندہ تم بڑے کار گزار اور وفادار مرید ہو، میں جانتا ہوں کہ اپنے پیر مرشد کی خوشنودی کے لئے تم اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے ہو۔“

سامنے سے پانی لیکر چار کی پہلی بنالی اور بندہ کے سامنے رکھی۔
 ”بندہ تم بہت خستہ ہو رہے ہو، چاہیو اور میرے قریب کر بیٹھو، تم نے اپنی کارگزاریوں سے مجھے بہت خوش کیا ہے اور اب بد وقت آ گیا ہے کہ

مٹھارے ساتھ معمولی شاگرد اور مرید کا برتاؤ نہ کیا جائے، تم اس بڑے کام میں ہلکے شریک ہو، اور انصاف اس کا مقتضی ہے کہ تم سے اس اذکا حال صاف صاف بیان کر دیا جائے۔“

بندہ کو مرزا کی اس غیر معمولی عنایت پر تعجب تھا، تخت کے کنارے پر بیٹھ کر چائے پینے لگا، مرزا نے ایک تکیہ اُس کے طرف بڑھایا،

”آرام سے بیٹھو، اور غور سے سنو، چند روز میں ہم ایک بہت بڑی دولت کے مالک ہو جائیں گے، یہ معمولی دولت نہیں ہے بلکہ سونے کی پہاڑی ہے، پھر تمام عمر آرام سے بسر ہوگی، یہ لڑکی تھیرا بائی جو اس وقت ہماری قید میں ہے اس دولت کی وارثہ ہے میں اس کے ساتھ شادی کروں گا یا اس کا خاتمہ کر دیا جائیگا، اور دولت ہلدی ہوگی، لیکن ہماری راہ میں دو ایک کانٹے ہیں جن کا ہٹانا کامیابی کے لئے ضروری ہے“

مرزا نے بہت تفصیل کے ساتھ لاکھٹھ کے تمام حالات بتدو کو سنائے،

”ہمارے گروہ میں دو ایک آدمی ایسے ہیں جو ہماری محنت سے خود فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اور مجھے اور نیز تمہیں اس دولت سے محروم کرنا چاہتے ہیں، زنجیریں جب کبھی کمزور حلقہ ہوتا ہے تو تمام زنجیر معرض خطر میں ہوتی ہے معلوم نہیں کب ٹوٹ جائے، اس زنجیر کی سب سے کمزور کڑی اس وقت رستم جی ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ پولیس سے ملکر مجھے اور تمہیں دونوں کو گرفتار کرانا چاہتا ہو۔ تم قتل کے مجرم اشتہاری ہو اور رستم جی کے ذرا سے اشارہ پر پولیس تمہیں گرفتار کر کے ایسی جگہ پہنچا دیگی جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔“

بندہ کو جوش آیا، اور آنکھیں لال ہوئیں، اور کہنے لگا۔

”یا حضرت! آپ نے مجھے بڑے خطرات سے آگاہ کیا، اگر رستم جی کا کام تمام ہو جائے تو اُسکے حصہ کی دولت کسے ملے گی؟“

”تمہیں“

”اندازاً کتنی ہوگی؟“

”چالیس پچاس لاکھ روپیہ سے کم نہ ہوگی، جب آدمی کے پاس اتنی بڑی دولت ہو تو پولیس اور قانون کی گرفت بھی اُسکے لئے ڈھیلی ہو جاتی ہے اور وہ باسانی کسی دوسرے ملک میں جا کر آرام اور اطمینان کی زندگی بسر کر سکتا ہو، بندویقین کرو کہ ایسی زندگی تمہارے اپنے ہاتھ میں ہے۔“

”یا حضرت! آپ کے حکم کی دیر ہے۔“

”شاباش، اطمینان رکھو، تمہیں جلد موقع دیا جائیگا، اگر رستم جی کی یہی حالت رہی تو اُس کا خاتمہ تمہارے ہاتھ سے ہونا ضروری ہے، جاؤ، رات زیادہ آگئی آرام کرو!“

باب ۲

شادی کون کر گیا

دولت بُری چیز ہے، اسکے ملنے کی اُمید پر دُنیا میں کتنے جرائم ہونے ہیں، بیٹا باب کا دشمن، اور انسان اپنے بہترین دوست کے خون کا پیا سا ہو جاتا ہے، زہد و تقویٰ رخصت، راہ و رسم برباد، مرزا بگرامی جسکی دینداری اور مذہبیت کا اس قدر چرچا ہے اپنے دیرینہ رفیق اور شریک کار رستم جی کی جان لینے کا قصد کرتا ہے دوسری طرف خود رستم جی جو مرزا کی جرائم پیشہ زندگی کے بخوبی واقف ہے، دلیس سوچتا ہو کہ لال کھٹور کی دولت پر خود متبذعہ کرے، اور جب قدر جلد ہو سکے مرزا کے سانپ کی ماہیت پولیس پر ظاہر کر کے قتل کے جرم میں اُسے گرفتار کرادے۔ اور ہیرا بائی سے شادی کر کے اُسکی تمام دولت پر بلا شرکت غیر قابض ہو جائے۔

چند روز سے رستم جی کی مالی حالت سقیم ہو رہی تھی، گھوڑ و ڈیس بہت سارے دیہے ہار گیا۔ ناش بازی میں بھی قسمت نے ساتھ نہ دیا، اسلئے دھڑبڑ میں سات کو نیند بھی اچھی طرح سے نہ آتی تھی، افسرگی کی حالت میں کلتا ہائی کے ساتھ دل بہلا کر اتھا، مگر وہ بھی ہیرا بائی کی حفاظت کے لئے نہ خانہ میں بند تھی، یہ خیال کر کے کہ کلتا ہائی اُس تاریک کمرہ میں پریشان ہوگی اُسکی طبیعت میں ہچان پیدا ہوا اور ارادہ کر لیا کہ آج اُسے قیخانہ سے نکالا جائے۔ اگرچہ مرزا بگرامی سے وعدہ کر چکا تھا کہ جب تک لال کھٹور کا معاملہ

خاطر خواہ طے نہ پا جائے کملاً ہیرا بائی کے ساتھ رہے گی، شام ہونے بھی نہ پائی تھی کہ کرم جی مرزا بگلرامی کے مکان پر پہنچا، مرزا بگلرامی جو لوگوں کے خیالات اور ارادوں کا اندازہ لگائے یہ خوب ماہر تھا، اُسکی آمد کا منتظر تھا۔

”کئے مرزا صاحب، بندو واپس آیا یا نہیں؟“

”وہ رات ہی واپس گیا“

”مگر آپ نے مجھے اطلاع نہیں دی۔ میں اسکی ہمہ کی کامیابی کی خبر سننے کیلئے بیچن تھا،

غالباً اُسکا وار خالی گیا، ورنہ آپ مجھے فوراً اطلاع دیتے“
 ”جی ہاں، بندو نا کامیاب رہا، اور بکرم سنگہ بھو پال صبح سلامت پہنچ گیا ہوگا،
 کیونکہ رات میں جو اور مرید مامور ہوئے تھے اُن کا بھی تار نہیں آیا، لیکن جو کاغذات
 اُسکے قبضہ میں تھے اُن کا حاصل کرنا چنداں ضروری نہیں ہے، میں نے دوسری
 ترکیب سوچی ہے۔“

”رستم جی نے ایک سگریٹ سلگایا اور اپنے شراب کے رے صاف صاف بیت کر نیکا
 ارادہ کر لیا۔“

”آپ کے قیدیوں کا کیا حال ہے؟“

”بہت اچھا، قیدی کیوں کہتے ہو، وہ بڑے آرام سے ہیں۔“
 ”اس تنگ تاریک خانہ میں کیا کوئی آرام سے رہ سکتا ہے، کملاً بائی اسکی

عادی نہیں ہے، وہ بہت پریشان ہوگی۔“

”کیوں نہ ہو، ایک بھائی کو انہی ہیشہ کی پریشانی کا خیال ضرور چاہئے، پھر تم جیسا
 محبت کرنے والا بھائی کملاً کے بغیر کیسے اطمینان سے رہ سکتا ہو، بہتر ہو کہ اُسے نیلے لجاؤ،

اور اُسکی پریشانی اور نیرانہ دہلی بے چینی بھگ کر دیا۔
مرزا بگڑامی اُس نے اور کمال کے اہلی تعلقات سے بخوبی واقف تھا، ان طنز آمیز
باتوں کو سن کر رستم جی کو غصہ آیا، مگر ضبط کیا،

”لیکن ہیرا بائی کے ساتھ کسی کا رہنا ضروری ہے۔“

”ہیرا بائی تنہا کب ہو، میں یہاں موجود ہوں۔“

”لیکن تمہارا مرید بندہ بھی یہاں موجود ہوا ہے بتل مجھ کو کہ ہیرا بائی جیسی لڑکی
کے قریب رہنا مناسب نہیں۔“

”رستم جی، مجھے تعجب ہے تم ہیرا بائی کے خیر خواہ کیسے ہو گئے؟“

”مرزا صاحب! آپ نہیں سمجھتے، کیا کبھی آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ لال کھڑی کی

دولت حاصل کرنے کا سب سے آسان اور محفوظ طریقہ یہ ہو کہ ہیرا بائی کے ساتھ شادی کر لی جائے۔“

”بے شک! میں نے اس پر غور کیا ہے، لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ تمہارے موٹے

دماغ میں بھی ایسا خیال آ سکتا ہے، شک ہے، اب تم سوچنے اور غور کرنے لگے ہمارا کباد!“

”مرزا صاحب! سن طنز آمیز گفتگو کو ختم کر دو، تم ایسے بھونڈے اور بھڑے طریقے

استعمال کرتے ہو کہ اگر میں تمہاری مذہب نہ تو اتنا تک کسی جیلخانہ میں بٹسے سڑنے،

واقف یہ ہو کہ ہیرا بائی بڑی نازک طبیعت کی لڑکی ہے، اس خانیہ میں بند ہونے سے وہ پھل

کی طرح کھلا جائے گی، میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اُسے لیجا کر اپنے گھر رکھوں، جب وہ

پہلی مرتبہ میرے ہاں آئی تو میری زبردست سچ باتوں اور شاید عمدہ شکل و صورت کا اُس پر

بہت اثر ہوا تھا، وہ میرے ساتھ شادی کرنے پر جلد راضی ہو جائے گی۔“

”لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اُسکی شادی میرے ساتھ ہونا چاہئے، تمہارے لئے کمال بائی

”یہی عورت دل بہلانے کیلئے کافی ہے“

”رستم جی کو بے اختیار ہنسی آئی۔“

”تم جیسے لنگوڑ کے ہیلو میں ہیرا بانی جیسی ہو، تمیں شرم نہیں آتی، اپنے بڑھاپے اور بے ہنگم پنے پر خیال کرو۔ اور بھر باد رکھو تمھاری چندیا پراتے بال نہیں ہیں جو تمھاری بیوی کی جوتیوں کی مار کو سہ سکیں، تمیں ہیرا بانی کی دولت سے مطلب ہے، وہ اتنی زیادہ ہے کہ ہم سب کے لئے کافی ہے بہتر ابا بانی کے ساتھ میں شادی کروں گا۔“

مرزا نے رستم جی کو غور سے دیکھا، اور نرمی سے کہا۔

”ہم کیسے بے وقوف ہیں، ایک عورت کی وجہ سے لڑنے پر آمادہ ہیں، اسکا فیصلہ کرنے کا ابھی وقت نہیں، کل مفصل باتیں ہونگی، سرت کیا یہ کافی نہو گا کہ کملہ بانی کی صحبت کو شہینت سمجھو، ہیرا بانی کا تہ خانہ سے ابھی نکالنا مناسب نہیں پولیس کے علاوہ بہترم کے گروگے اسکی تلاش میں ہیں“

اس خیال سے کہ رات لطف کیساتھ گزریگی رستم جی نے کہا۔

”بہتر ہے ہیرا بانی کے متعلق کل غور کیا جائیگا، کملہ بانی کو لے آئیے“

تھوڑی دیر بعد مرزا بلگرامی کملہ بانی کو تہ خانہ سے لے آیا، کملہ بانی جوتہ خانہ میں اسقدر پریشان تھی، رستم جی کو دیکھ کر پھول کی طرح کھل گئی۔

”خوب ہوا آپ آگئے، اکبہ ن اور نہ آتے تو میں اس تہ خانہ میں سنبھال رہا ہوتا،“

جلو کسی سنبھایا تھیں میں بیٹھ کر دل بہلاؤں۔“

مرزا بلگرامی نے کملہ بانی کے ساتھ چھڑی کا اظہار کیا، اور دماز کھول کر ایک پرچہ

کاغذ کا نکالا۔

”رستم جی، مجھے کملا بانی کے ساتھ اتفاق ہے انہیں تھیسری لجاؤ، آج تماشہ بہت دلچسپ، ایک دست نے میرے لئے ایک سبکس محفوظ رکھا تھا جبکہ ملکٹ پیش کرتا ہوں میں آج باہر نہیں جاسکتا، آجائیں اور تماشہ دیکھیں“

رستم جی نے شکریہ کے ساتھ ملکٹ لیلہا، اور کملا بانی کو ساتھ لیکر رخصت ہوا، موٹر میں بیٹھ کر کملا بانی نے رستم جی کا ہاتھ اپنی انگلیوں میں دیا اور لڑکے شانہ پر رکھ دیا رستم جی اپنی کفنتوں کو بھول گیا اور اُسے خیال بھی نہوا کہ موت اس قدر

قرب ہے۔

رستم جی کو رخصت کر کے مرزا بلگرامی معاملہ کی اہمیت پر غور کرنے لگا۔ رستم جی بلگرامی کے غول کا زبردست ممبر اور مرزا کا دست راست، اور فوت باز خیال کیا جاتا تھا، لیکن جب کسی جسم کا کوئی عضو مادت ہو جائے اور اُسکی وجہ سے تمام جسم میں بیماری پھیلے اور آخر کار موت لازمی نتیجہ ہو تو ستر ہی ہے کہ اُس عضو کو کاٹ کے پھینک دیا جائے علم الابدان کے اس صحیح اصول سے بلگرامی بخوبی واقف تھا، اور اُسے فیصلہ کرنے میں یرنگلی رستم جی کی رقابت خطرہ سے خالی نہ تھی، اور اس خطرہ کا اپنی اہ سے دور کرنا ضروری تھا، اپنے مرید متبع کو بلایا اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”بند و بختیں خوش ہونا چاہئے کہ تمھاری دینی اور دنیاوی معراج زنی کا وقت قریب پہنچا ہو، کسی مرید کی سب سے بڑی سعادت یہ ہو کہ اپنے پیر و مرشد کو خطرہ سے بچائے اور اُسکے دشمن سے انتقام لے، میں اپنے آپ کو اس وقت سخت خطرہ میں پاتا ہوں، میرا دشمن نہ صرف میری جان کی فکر میں ہے بلکہ میری شہرت اور نیکنامی کو بھی خاک میں ملانا چاہتا ہے، عین اُس وقت جبکہ ہم ایک بڑی دولت کے مالک ہونے والے ہیں اور

اور آئندہ زندگی آرام و اطمینان سے بسر کرنیکی اُمید کر رہے ہیں، ایک شخص ہیں ہماری محنت کے ثمر سے نہ صرف محروم کرنا چاہتا ہو بلکہ ہمیشہ کیلئے ذلت اور فلاس کے تاریک غاریں پھینکنا چاہتا ہو، کیا تم نہیں چاہتے کہ اپنے بیرو مُرشد کو اس خطرہ سے بچاؤ، اور بدولت اس وقت بھڑبال میں زیر زمین دفن ہے اُس کے ایک حصّہ کے مالک بنو؟

”یا حضرت! آپ کے حکم کی تعمیل فرض عین ہو، آپ کو خطرہ سے بچانا میرے بے عہد سعاد و نجات ہو، آپ کے حکم کی دیر ہے، حضور بتائیں کہ یہ دشمن کون ہے، اور کتنا اُسے جہنم و اہل کرنا چاہئے، مال دولت کی مجھے اتنی پرواہ نہیں ہے جتنی اپنے بیرو مُرشد کو خوش کرنے کی۔“

شاہنشاہ! مجھے تم سے ایسی ہی اُمید تھی۔ اس وقت ہمارے زیادہ خطرناک دشمن رستم جی ہے، جو مجھے اور تمہیں پولیس کے حوالہ کر کے ہیرا بائی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے، اور پھر لال کٹھور کی بے اندازہ دولت پر قبضہ کر لے گا۔

”اگر حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں“

”ضرور بے تکلف بیان کرو۔“

”حضور کا مُرید ہونے کی حیثیت سے مجھے تعمیل حکم کرنا چاہئے، لیکن حضور خیال تو فرمائیں کہ کسی کو اور وہ بھی اپنے شریک کار کو قتل کرنا بہت بُرا گناہ ہے، اگر اس دولت پر ہیرا بائی کے ساتھ شادی کرنے سے قبضہ ہو سکتا ہو تو کیا یہ مناسب ہوگا کہ حضور اس لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دیں، میں آپ کا غلام اور مُرید ہوں، آپ میرے مالک ہیں، اسی طرح اس دولت پر آپ کا قبضہ ہو جائیگا، مجھے کھانے بھر کو چاہئے اور قتل جیسے گناہ عظیم کی کیا ضرورت ہے؟“

مرزا ابگلامی چونکا مگر اپنے تعجب اور غصہ کو ضبط کیا۔

”میں معاملہ کے نہی پہلو کو خوب جانتا ہوں ایک مرتبہ انتقام کا مسئلہ تمہیں سمجھ چکا ہوں، یہ حفاظت خود اختیاری کا معاملہ ہے اپنی جان کی حفاظت کرنا آدمی پر فرض ہے حفاظت کیلئے اگر دشمن قتل کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہوتا، لیکن تمہاری تجویز قابلِ غور ہے، ممکن ہو کہ میں سپر راضی ہو جاؤں، دیر کی گنجائش نہیں۔ ابھی بھوڑی دیر ہوئی رستم بھی یہاں آیا تھا، اُسکی گفتگو سے اندازہ کرتا ہوں کہ ممکن ہے کہ آج رات ہی کو وہ ہمیں گرفتار کر دے۔ جیت ہیشہ اُسی کی ہوتی ہے جو پہلے حملہ کرے، ادل کام یہ ہے کہ رستم کا خاتمہ ہو جائے، خیال کرو ہیرا بائی جیسی شکیل بیوی اور لال کٹھور کی بے اندازہ دولت پر قبضہ کر کے تم دنیا کے خوشحال ترین آدمیوں میں شمار کئے جاؤ گے۔“

”یا حضرت! حفاظت نفس کا مسئلہ میری سمجھ میں آ گیا آپ کے حکم کی بسر و تمہیل کروں گا۔“

”خدا اک اللہ! آج رستم جی کھلا بائی کو لیکر سنگم تھیسر جائے گا، تم بھی وہاں جاؤ، لیکن آج تمہارے بھیس بدلنے کی قابلیت کا پورا امتحان ہے، مجھے یقین ہے کہ علاوہ پولیس کے ہزارم اور اُس کے خدائی فوجدار بھی وہاں ضرور ہوں گے۔ بھیس لیا ہو جو بھیس ان سب کی آنکھوں سے محفوظ رکھے اور تم اپنا کام کر جاؤ۔“

”یا حضرت! بھیس کا معاملہ مجھے چھوڑیے آج ایسا بھیس بدلوں گا کہ خدائی فوجدار بھی نہ پہچان سکیں گے۔“

”مرزا نے اپنی جیسے سگریٹ کیس نکالا اور بند و کو دیا۔“

”بسم اللہ! اسے حفاظت سے رکھو، میں تمہاری کامیابی کے لئے دستِ مبارک بٹھا رہا ہوں۔“

باد رکھو، آج رات کی کامیابی پر ہیرا بائی اور لال کٹھور کی دولت بھاری ہے۔
 مرزا بگلرامی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ بندہ جیسا مطیع اور فرمانبردار مرید
 اُس کا رقیب بن جائے گا، اور ہیرا بائی کے ساتھ شادی کرنے کی آرزو کرے گا، رستم جی کی
 رقابت کا اندبہ نہ کیا کہ تھا کہ نیا خطرہ رونما ہوا، رستم جی آج بندہ کے ہاتھ سے مارا جائیگا
 مگر بندہ کا ایسی آسانی کے ساتھ خاتمہ نہ ہو سکیگا، مارا ستین سب سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے،
 مگر کامیابی کے لئے یہ سب کٹے راہ سے ہٹنا ضروری تھا، دیر کی گنجائش نہ تھی، کیونکہ
 بھوپال کی سند کی تجدید کا وقت ختم ہو رہا تھا۔

سامو گرہم تھا، دو تین پانی چائے کی پی، اور کھڑا ہو گیا، لباس کے معاملہ میں
 مرزا بگلرامی لاپرواہ تھا، لیکن آج اُسے صندوق سے اپنے بہترین کپڑے نکال کے
 پہنے، بالوں میں تیل ڈالا، کاکلوں میں کنگھا کیا، ایک جھوٹی ٹیشی سے عطر لے کر ملا،
 آئینہ میں اپنی شکل دیکھی اور مسکرایا، میز سے دو تین انگریزی ناول جو آج ہی خریدے
 گئے تھے، بغل میں دبائے اور تہ خانہ کی طرف روانہ ہوا،

کھلا جیک باس تھی ہیرا بائی سے ہر وقت باتیں کرتی رہتی تھی، کھلا کے نزدیک
 لباس زیبود، اور تھپڑ کے علاوہ اور کوئی مضمون بحث کے قابل نہ تھا، تعلیم یافتہ اور جدید
 ہیرا بائی کو ان باتوں کے شننے سے اُچھن ہوتی تھی۔ کھلا کے جانے کے بعد تہ خانہ میں
 سکون ہو گیا اور ہیرا بائی کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع ملا وہ اپنی بے بسی اور اندیشگی
 بخوبی احساس کرتی تھی، اور اُسکی سمجھ میں آتا تھا کہ اُس کے ساتھ یہ بدسلوکی کیوں ہوا
 رکھی جاتی ہے، اُس کا کوئی عزیز مرد نہ تھا جس سے یہ اُمید ہوتی کہ اُسے تلاش کرے گا۔
 لیکن یہ خیال کر کے کہ خدائی نوحہ دار اُس کی مدد ضرور کریں گے اور اُس کی ہائی کی

فکر سے غافل نہ ہوں گے، قدسے اطمینان ہوا خصوصاً مسعود کی ہمت اور بیاہری کا مظاہرہ چند روز ہوئے وہ خود دیکھ چکی تھی بار بار اُسے یاد آتا تھا، اس کے ساتھ مسعود کی نوجوانی اُسکی بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں بات کرنے اور کرانے کے انداز کا خیال اُسکے دل میں ایک نئی کیفیت اندر مری پیدا کرتا تھا جس کا احساس اُسے اب تک کبھی نہ ہوا تھا۔ دلی حرکت تیز ہوئی، رخساروں کی سُرخمی بڑھی اور کرسی سے اُٹھ کر ٹہلنے لگی، اور خود ہی سوال کیا۔

”سعادتم نہیں مسعود کو میل خیال ہے یا نہیں؟ اور اُس سے باتیں کرنے کا پھر موقع ملے گا یا نہیں؟“

پھر کایک شرمائی اور سنہ پر ہاتھ رکھ لے اتنے میں کھٹ ہوئی اور ہیرا بانی چوکی مرزا بگرامی سامنے کھڑا ہوا مسکرا رہا تھا۔

اُس نے دیکھا کہ آج مرزا بگرامی نے معمول سے زیادہ اپنے لباس اور سنگار پر توجہ کی ہے، عطر کی خوشبو خانہ میں پھیل گئی، مرزا کے ایک ہاتھ میں پھولوں کا گچرا، اور دوسرے میں کتابیں تھیں۔

”بائی صاحب آپ تنہائی سے پریشان ہو گئی، آج آپ کے لئے یہ ناول لایا ہوں، میں ناول کبھی نہیں پڑھتا، کیونکہ ان کے پڑھنے سے انسان کے سکون میں فرق آتا ہے اور عشق و محبت کے خیالات برا بگبخت ہوتے ہیں، میرے لئے مذہبی کتابیں اور تاریخ و فلسفہ دل بہلانے کے لئے کافی ہیں، آپ نوجوان ہیں، نئی قسم کی تعلیم پائی ہے، ناول آپ کے پڑھنے کے قابل ہیں۔“

ہیرا بانی کو مرزا کی بیباکی اور عشق و محبت کے تذکرے پر غصہ آیا۔

مرزا صاحب! معاف کیجئے، کتابیں پڑھنے کے لئے سکون ضروری ہے جو قید کی حالت میں مجھے میسر نہیں۔ اس تہ خانہ میں ٹپے ٹپے میں پاگل ہو جاؤنگی مجھے گھر جانے کی اجازت دیجئے۔“

”بائی صاحب، آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں اور اسے قید خانہ کیوں سمجھتی ہیں یہ آپ کا گھر ہے، میں بہت جلد آکھو اپنے ساتھ لے چلوں گا، تنہائی بے شک محکیت نہ ہوگی لیکن آپ زیادہ دیر تک تنہا نہ رہیں گی، وہ وقت قریب ہے کہ آپ میرے ساتھ ہر وقت رہا کریں گی، اور سبب راحت میں میری شریک ہوں گی۔“

”ہیرا بائی غصہ اور خوف سے کانپنے لگی
”مرزا صاحب، آپ کو شرم نہیں آتی کہ ایک بے بس لڑکی سے اس قسم کی باتیں کرتے ہیں، مجھے مرزا گوارہ ہوگا مگر آپ کے ساتھ ہرگز نہ رہوں گی۔“
مرزا نے نعتہ لگایا۔

”ہیرا بائی! آپ میرا مطلب غلط سمجھیں، آپ خیال نہ کریں کہ جس طرح مکلا بائی رستم جی کے ساتھ رہتی ہے اسی طرح آپ بھی میرے ساتھ رہیں گی، میں نہ ہی آدمی ہوں، آپ کے ساتھ نکاح کروں گا، اور آپ میری بیوی اور اس گھراور سارے دھان کی مالک ہوں گی۔“

”یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اول تو آپ سلمان اور میں باری پھر آپ اپنی صورت کو دیکھئے اپنی عمر اور اپنی سیہ کاری اور جرائم پیشہ زندگی کا خیال کیجئے۔“
”تم نا تجربہ کار ہو، مرد کی صورت کا خیال کرنا بیکار ہے، اُسکی قابلیت دیکھی جاتی؟ بڑے بڑے بزرگان دین نے زیادہ عمر میں نو عمر لڑکیوں کے ساتھ شادی کی ہے جو

بڑی کامیاب ثابت ہوئی ہے، رہا پارسی اور سلمان کا فرق، عشق و محبت کے معاملہ میں قوم اور مذہب کی چیز نہیں کیا تم نے نہیں سنا کہ بیٹی کے مشہور قومی لیڈر نے جو سلمان ہے وہاں کے بڑے معمول اور پارسی لڑکی سے شادی کی ہے جو ہر لحاظ سے کامیاب ہے۔ ملک کی ترقی جب ہی ہو سکتی ہے کہ شادی بیاہ کے معاملہ میں ذات پات اور مذہب ملت کی تفریق مٹا دی جائے، کیا میری طرح تم اپنے ملک کی ترقی کی خواہاں نہیں ہو؟ ہم ایک بڑی دولت کی مالک ہونیوالی ہو، دولت اتنی زیادہ ہو کہ ہم ہندوستان میں سب سے بڑے امیر سمجھے جائیں گے۔ بیٹی، بوند، منصور سی اور غلہ میں ہمارے بڑے بڑے مکانات ہوں گے ہر سال یورپ کی سیر ہو اگرنگی، بڑے بڑے قومی لیڈر اور دلیان ملک بھاری سبزانی کی تناکرینگی، ہماری دولت ہندوستان کی غربت اور افلاس دور کیا تعجب ہے کہ سیاسی کمزوری کو دور کر دیں گی۔ میرا تجربہ، اور عجیب غریب ماضی قوت، بھاری نوجوانی، خوبصورتی اور رعنائی متحد ہو کر جب ہندوستان کی فضا پر نظر آئے گی تو عجیب نظارہ ہو گا۔ کیا یہ عظیم انسان زندگی بھر کے تخیل کو منحرف نہیں کرتی؟ آؤ، پیاری ہیرا یہ پھولوں کا گجر اپنے گلے میں ڈال لو، اور کل شادی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

مرزا مسکراتا ہوا آگے بڑھا، اور پھولوں کا گجر ہیرا مائی کے گلے میں ڈالتا چلا گیا۔ ہیرا ابالی نے گجرہ کو زمین پر پھینک کے پاؤں سے کچل دیا اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”اے ظالم اور خاک آدمی! یہ ہرگز نہ ہو گا۔ میں بھیک مانگنا گوارہ کر دوں گی اور موت کو ترجیح دوں گی مگر تمھارے ساتھ شادی کرنے پر کبھی راضی نہ ہوں گی، ضد میری مدد کرے گا اور تم اپنے ظلم کی سزا پاؤ گے۔“

مرزا نے قدرے سکوت کیا، اور پھر سنجیدگی سے کہا۔

”بہتر ہے میں تمہیں رات بھر غور کرنے اور سوچنے کے لئے دیتا ہوں، کل آؤنگا، اور تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا، اور تمہارے ساتھ شادی کروں گا، سب انتظام ہو چکا ہے۔ میرا فیصلہ اٹل ہے۔“

باب

چالیس چوڑن کا تماشہ

عین اُس وقت جبکہ مرزا بلگرامی اپنے جرائم کی بباطر ایسی بدست چالیس چل رہا تھا، اور فریز کو پیٹ کرامات دینے اور بازی جیتنے کا انتظام کر رہا تھا، ضلعی فوجدار خاموشی کے ساتھ محلہ ملی لان میں بیٹھے ہوئے اُسے شہ دینے اور بازی ہارنے کی فکر میں تھے، شام کو تار پر خبر چکی گئی کہ بکرتم سنگہ زندہ سلامت بھوبال پور چل گیا، اُسکی طرف سے اطمینان ہو گیا تھا، لیکن باوجود تلاش کے تھیرابی کا اب تک کچھ پتہ اور نشان نہ ملا تھا، یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ زندہ ہو یا مردہ، دیر کی اب گنجائش نہ تھی، ہر طرف تلاش جلدی تھی، ستھے خاں جو بہرام کا خاص آدمی تھا، بلگرامی کے مکان اور احاطہ کا جائزہ لینے کیلئے خاص طور پر مامور کیا گیا تھا، مگر اب تک اُسے بھی کوئی مفید بات معلوم نہ ہوئی تھی، تینوں دوست معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر غور کر رہے تھے، مسعود ضرورت سے زیادہ سنجیدہ، اور قدرے متفکر معلوم ہوتا تھا، دن کے وقت تھوڑی دیر کے لئے سو گیا تھا مگر تھیرابی کو خواب میں دیکھا اور چونک پڑا، اُسے یقین تھا کہ تھیرابی قید کی حالت میں مسعود کی آمد کا انتظار کر رہی ہے، تھیرٹھ سے رخصت ہوتے وقت تھیرابی نے مسعود سے دریافت کیا تھا کہ اُسکی شادی ہو چکی ہے یا نہیں، اُس وقت سے اس مسئلہ پر کافی غور کیا گیا،

اور ہیرا بانی کے سوال کا جواب دینے کیلئے بھیجیں تھا، مگر ہیرا بانی کا کہیں تپ نہ تھا، اتنے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور کسی خبر نے اطلاع کی کہ سنگم ٹھیٹر میں ایک کوچ مرزا بلگرامی نے محفوظ کیا ہے اور اس کے گروہ کے، و ایک دمی شام کے وقت ٹھیٹر کے آس پاس دیکھے گئے ہیں، ہیرام نے کہا۔
 ”مسعود ہتھاری کیا راسے ہے آج ٹھیٹر میں علی بابا اور چالیس چوڑوں کا تماشہ ہے۔“

”بظاہر تماشہ معمولی قسم کا ہے، لیکن مجھے آپ کے ساتھ اتفاق ہے کہ بلگرامی جیسے نہ ہی آدمی کو تماشہ دیکھنے کا شوق ہوا ہے تو وہ ہمارے لئے دلچسپ ضرور ہونا چاہئے۔“

”یہ اُمید تو نہیں کیجا سکتی کہ مرزا بلگرامی ہیرا بانی کو ٹھیٹر لے آئے گا، لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آج بلگرامی سے آخری گفتگو کی جائے، اگر دلیل کار گزرتو جب تک ہیرا بانی کا پتہ نہ چلے مرزا کی آزادی سلب ہونا چاہئے۔“

”اس کے پتھر جیسے دلیں خدا کا خوف ڈالنا مشکل ہے، مگر گرم لوہے سے داغنے کی دلیل ایسی ہے جو ضرور کارگر ہوگی، آخر دنیا کب تک اس غلامانہ مجرم کے ظاہری تقدس اور اشتهاری سرگرمی کے دھوکے میں رہے گی، آؤ کھانا کھا کر ٹھیٹر چلیں!“

ٹھیٹر میں آج معمول سے زیادہ ہجوم تھا، علاوہ معمولی تماشائیوں کے بہت سے ممبران اسمبلی، اور اعلیٰ افسران گورنمنٹ تماشہ دیکھنے آئے تھے، ٹھیٹر کے باہر گاڑیوں اور موٹروں کی قطاریں دوڑ رہی تھیں، مسعود نے گھوم بھرم کر دیکھا مگر ابھی تک مرزا بلگرامی کی موٹر وہاں نہ تھی، صدر دروازہ پر کسی خدنا ریکی میں کھڑے ہو کر

انتظار کرنے لگے۔ تماشائیوں کا تاننا بندھا ہوا تھا۔ ایک انگو تھیں کی ٹیسریوں کے مقابل رُکا اور ایک بڑھا سکھ موٹی لکڑی کے سہارے سے نیچے اتر، کمپیں خم پڑا ہوا۔ بایں شانہ کسی قدر اٹھا ہوا شکل سے چلا جاتا تھا۔ پولیس کے کنسٹبل نے جو صدر دروازہ پر گاڑیوں کے انتظام پر مہمور تھا کہا۔

”سردار جی، جلد اوپر چڑھیے، موٹر آرہا ہے“

بیچارہ سکھ لڑکھڑایا اور پولیسمن کی طرف مدد کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ مسعود قریب ہی اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا ہوا سگریٹ پی رہا تھا اس بڑھے کی پریشانی دیکھ کر بچے آیا اور ہاتھ کا سہارا دے کر ٹیسریوں پر چڑھایا دل میں تعجب کرتا تھا کہ اس بڑھاپے اور بیماری کی حالت میں تھیں دیکھنے کا کیا شوق سما ہے۔ مگر کیوں نہیں نفرت کو کس کا دل نہیں چاہتا۔ دروازہ پر پہونچ کر بڑھا اپنے لگا۔

”بھئی، گٹھیا بڑی بری بیماری ہے آپ نے بڑی مہربانی کی۔ اتنی اور غایت کر دو کہ مجھے اندر بٹھا دو۔ میرے پاس درجہ اول کا ٹکٹ ہے“

درجہ اول کی کرسیاں درجہ خاص کی کرسیوں کی پشت پر تھیں کنارہ کی کرسیاں بھری ہوئی تھیں، لیکن چار کرسیوں کے بعد جگہ خالی تھی بڑھے کو وہاں تک پہونچنے میں تکلیف ہوتی اس لئے ایک شریف تماشائی نے کنارہ کی کرسی خالی کر دی۔

”سردار جی آپ اس کرسی پر بیٹھیں، میں کسی اور جگہ بیٹھ جاؤں گا“

بڑھے نے اس تماشائی کا نیز مسعود کا شکریہ ادا کیا۔ اور کرسی پر

بیٹھ گیا۔
 اُسکے سامنے خاص درجہ کی کوچ جو پہلے سے محفوظ تھی خالی تھی تماشہ
 شروع ہونے والا تھا۔ مستود اور اُس کے دست بھی درجہ خاص کے
 کوچ پر جو وسط میں تھی بیٹھ گئے۔ مگر بار بار پھاٹک کی جانب دیکھتے تھے
 اور تعجب تھا کہ مرزا بلگرامی جس کے لئے کنارہ کی کوچ محفوظ تھی کیوں
 نہیں آیا۔

بڑھا سکھ کرسی پر بیٹھ کر اپنے دل میں بہت خوش تھا اور اپنے بھیس پر
 ناز کر رہا تھا کہ آج خدائی فوجداروں کو دھوکہ دیا۔

یہ بندہ تھا کہ جو مرزا بلگرامی کی تیس حکم کیلئے تھپڑ آیا تھا۔

پردہ اٹھنے ہی کو تھا کہ مستود نے کنہی سے ہر آب جنگ کو صدر
 دروازہ کی طرف متوجہ کیا۔ کلا بانی گھرے رنگ کی ساری پہنے ہوئے تھے
 سے گورے گورے سد دل ہاتھ شانہ تک باہر نکلے ہوئے۔ نصف سینہ
 کھلا ہوا جس پر ایک جڑاؤ نکلس (ہار) انگریزی وضع کا برقی روشنی میں جگمگا
 رہا تھا۔ ہونٹوں اور رخساروں پر بہت سا غازہ آنکھوں میں سرور، چال میں
 اٹھلا ہٹ، رستم جی کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے بڑھی۔ سرے کی کوچ پہلے
 سے محفوظ تھی، رستم جی نے کلا بانی کا کوٹ کوچ کے نیچے پر رکھا۔ دونوں
 آرام سے بیٹھ کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں پردہ اٹھا اور تماشہ شروع ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد کما آئے کما۔
 ”کیسا عمدہ تماشہ ہے اور کیسا لطف ہے۔“ اُس تہ خانہ میں بند بندیں

پاگل ہوئی جاتی تھی“
 رستم جی نے کملکا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔
 ”کملکا، تم کس قدر نازک اور خوبصورت ہو، اطمینان رکھو اب تم اُس
 تنگ تار تک تہ خانہ میں کبھی نہ جاؤ گی۔“
 کملکا بیکایک چونکی اور بیچ کی کوچ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔
 ”بھائی صاحب، اُدھر دیکھئے، خدائی نو جدار یہاں بھی موجود
 ہیں، خدا خیر کرے“

”تم ان بد معاشوں سے ڈرتی کیوں ہو، وہ ہمارا کیا کر سکتے ہیں؟“
 رستم جی نے دیکھا کہ تینوں دوست کوچ پر بیٹھے ہوئے آپس میں
 ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ اور بظاہر اُن کی طرف اُن کا خیال بھی نہیں ہو۔
 اتنے میں وہ عین آج رات کے اندھیرے میں علی بابا کی ہونٹند
 بازوی مرجینا تیل نکالنے کے لئے سوداگر کے کپڑوں کے پاس جاتی ہے جس
 کپڑے کو کمولتی ہے اُس میں بجائے تیل ایک قزاق کو بند پاتی ہے اور قزاق
 کے سوال ”کیا وقت آگیا“ کا بڑے اطمینان سے ”ابھی نہیں“ کہہ کر جواب دیتی
 ہے اور پھر گرم تیل ڈال کر اُنھیں ہلاک کرتی ہے۔

رات کا ماں پیدا کرنے کے لئے نہ صرف ایٹج کی بلکہ سارے پتھر کی
 اندرونی تپاں گل کر دی گئی تھیں۔ تاہم کایہ حصہ اس قدر دھپ تھا کہ ہر شخص
 کی توجہ ایٹج کی طرف تھی، بالکل خاموشی اور سناٹا۔ کملکا آگے جھکی ہوئی
 مرجینا لوندی کی نقل و حرکت دیکھ رہی تھی اور اس کی ہمت اور چالاکی

پر تعجب کر رہی تھی۔ رستم جی بہت اطمینان کے ساتھ کوچ کے تکیہ سے سر اٹھائے
غالباً لال کٹھور کی دولت اور اپنی کامیابی اور بہتر ابائی کے ساتھ شادی کر لیا
خواب دیکھ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سین بدلا اور تمام تھیسر دشنی سے جگ بگکانے لگا۔ تو رستم جی
تحسین کی تالیاں بجنے لگیں۔

کہلا آئی بہت مسرور تھی اور زور زور سے تالیاں بجاٹیں۔ رستم جی کی طرف
رُخ کیا اور حیران ہو گئی۔

رستم جی کی آنکھیں کھلی تھیں کوچ کے تکیہ پر گردن رکھے اور دھیس
حرکت اٹیچ یا کہلا آئی کی طرف نہیں، بلکہ تھیسر کی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔
کہلا آئی نے گھبراہٹ سے کہا۔

”ہائیں تمہیں کیا ہو گیا؟“

”اتھ بکر کھینچا مگر کچھ اُتر نہیں ہوا۔ ہاتھ سرد اور سخت تھا۔“

کہلا آئی سمجھی اور زور سے چیخی

بہرام اور اُسکے دوست اپنی کوچ سے دوڑے اور ان واحد میں تہجی
کے کوچ کے سامنے پہنچے، ایک نظر ڈالتے ہی سمجھ گئے کہ رستم جی مر گیا
ہے۔ کان کے نیچے گردن پر مرنے کا نشان دیکھ کر یقین ہو گیا۔ کہ رستم جی کو
بلگرامی کا سانپ ڈس گیا۔ بہرام نے کہا۔

”کوئی ڈاکٹر یہاں ہوں تو مہربانی کر کے آئیں“

تیچھے کی نشست سے ایک انگریز ڈاکٹر آیا۔ نبض دیکھی اور دل پر ہاتھ

رکھا اور خجیدگی سے کہا -
”وہ مر گیا“

اسکا سننا تھا کہ کملا بانی نے چیخ ماری اور کوچ پر ہوش گر گئی۔ تھیسر کا نیجر اور کئی ملازم آپکے تھے پردہ کے اٹھنے میں جو دیر ہوئی تو تھیسے کی نشستوں کے تماشا نیوں نے سیٹیاں اور تالیاں بجا کر اپنی یجنی کا اظہار کیا۔ سولے اُن چند لوگوں کے جو رستم جی کی کوچ کے گرد جمع تھے کسی کو نہیں معلوم تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ ایٹج کی طرف سے ایک عورت جُرس کا لباس پہنے تھی اس طرف آئی اور کہنے لگی۔

”میری مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں“
نیجر نے کملا بانی کی طرف اشارہ کیا اور وہ کملا بانی کو ایٹج کے دروازہ سے اندر لے گئی۔

نیجر نے باواز بلند کہا۔

”حاضرین! آپ بے چین نہ ہوں تماشا فوراً شروع ہوتا ہے
بانی جی کو ہیسریا کا دورہ پڑا ہے اور ان کے ساتھی بیہوش ہو گئے ہیں اس کو
کاٹھے انوس ہو“

ڈراپ سین اٹھا اور سینڈ بجنے لگا اور سولے چند کے مندرجہ
اپنی جگہ بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگے۔

دو تین آدمی رستم جی کو اٹھا کر ایٹج کے دروازہ سے اندر رپورٹ
اور دو اکثریوں نے از سر نو معاملہ کیا ہاتھ کی رگ میں پچکاری سے

مگر رستم جی کبھی کامرچکا تھا۔

جس وقت یہ ہو رہا تھا خدائی فوجداروں نے سکھ بڑھے کو تلاش کرنا شروع کیا مگر اس کا کہیں پتہ نہ تھا۔ لپٹ کی جانب سے ایسٹج کے اندر گئے۔ کملابائی کو ہوش آگیا ہوگا اور اُس سے قاتل کا پتہ نہ چلا تو ہیرابائی کے پوشیدہ ہونے کی جگہ تو معلوم ہو ہی جائے گی۔ مگر انھیں یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ کملابائی وہاں نہیں ہے۔ ذرا دیر ہوئی ایک آدمی آیا جسے کہا کہ وہ بائی صاحبہ کا ملازم ہو اور موٹر میں بٹھا کر لے گیا۔

مسعود نے غصہ سے اپنی اٹھلی کاٹی اور کہا۔
 ”افسوس کیا دھوکہ ہوا میری آنکھ کیا بھوٹ گئی تھی۔ بڑھے سکھ کے بھیس میں بندہ تھا۔ جو رستم جی کو مار کر کملابائی کو لے بھاگا۔“
 مہراب جنگ نے مسعود کے شانہ پر ہاتھ رکھا اور ہمدردی سے

کہا

”بے شک بندہ نے آج کمال کا بھیس بدلاتھا اور میں بھی نہ پہچان سکا بلکہ اُمی کی قابلیت کی تعریف کرنا چاہیے کہ کس عمدگی سے اُس نے جان بچھایا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوا۔ نرس پہلے سے متعین تھی اور ایک آدمی اول سے پہلی نشست پر بٹھادیا گیا تھا تاکہ جس وقت بندہ آئے اُسے رستم جی کی بلکہ اُمی ہی سمجھے آسانی جگہ ملجائے۔“

نرس جی کی زندگی کا پیالہ لبرز ہو چکا تھا اور میری مشین گوئی کے بموجب اُسے سانب ڈس گیا۔ یہاں وقت ضائع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں، مگر

چلیں شاید ہیرا بائی کے متعلق ننھے خاں کوئی خبر لایا ہو، معلوم نہیں بیچاری کس حال میں ہو، یہ بھی نہیں معلوم کہ زندہ ہے یا مر گئی۔
مستود نے سنجیدگی سے کہا

”اگر اُس کا بال بھی بیکا ہوا تو مرزا بلگرامی کتے کی موت مارا جائیگا۔“
گھر پہنچے تو ننھے خاں کو موجود پایا۔ ننھے خاں مرزا بلگرامی کے گھر کی خفیہ نگہبانی پر کئی دن سے مامور تھا۔ اُس نے سنجیدگی سے کہا۔
”حضور اندھیرا ہو جانے کے بعد میں مرزا کے احاطہ میں گیا اور کھنڈر میں گھومنے لگا۔ ننھے دہاں اگر کی جی کی خوشبو معلوم ہوئی۔ میں ایک سوراخ کی طرف گیا جہاں سے یہ خوشبو آ رہی تھی۔ ایک پتھر ٹھایا تو روشندان نظر آیا۔ پھر مجھے کسی کے بات کرنے کی آواز معلوم ہوئی۔ آواز مرد کی نہ تھی بلکہ عورت کی۔“

”شاباش تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہیرا بائی اس تہ خانہ میں قید ہو۔“
”اُس کے بعد میں احاطہ کی دیوار کے قریب ایک درخت پر چڑھ گیا اور دیکھتا رہا۔ پھر کسی کو کھنڈر کی طرف آتے اور تھوڑی دیر بعد باہر جاتے دیکھا۔ آدھی رات کے قریب ایک بڑی موٹر آئی اور احاطہ کے پشت پر جہاں ایک دروازہ ہو کھڑی ہو گئی؟“

بہرام کرسی سے کھڑا ہوا۔ ننھے خاں کو شاباشی دی اور کہا۔
”مستود دیر کی گنجائش نہیں، معلوم ہوتا ہے بند و کی رپورٹ سننے کے بعد بلگرامی ہیرا بائی کو کہیں لیجائے گا۔ میں بلگرامی کی خبر لیتا ہوں

تم احاطہ کے باہر جو بوڑھڑا ہے اُس پر قبضہ کرو۔ اُس کے شو فر کو بیہوش کر کے
 خود اس کے کپڑے پہن لینا۔ میں صدر وازم سے براہ راست بلگرامی کے
 پاس جاؤں گا۔ خدا حافظ۔“

باب ۲۹

مرزا بلگرامی کا خواب

جس وقت تھیں ڈاکٹر اور دوسرے آدمی رستم جی کے گرد جمع تھے اور اسکی بیہوشی اور موت پر تعجب کر رہے تھے، بندہ جو بڑھے سکھ کے بھیس میں اپنا وار کر چکا تھا، خاموشی سے باہر گیا اور موٹر میں بیٹھ گیا ذرا دیر بعد مرزا کے غول کا ایک آدمی اور نرس کمرہ بانی کو حالت بیہوشی میں لیکر آئے اور بندہ کے سپرد کر دیا۔ موٹر فوراً تیزی سے روانہ ہوئی۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی کیلا بانی نے نیم بیہوشی کی حالت میں آنکھیں کھولیں اور خیال کیا کہ تماشہ ہو چکا اور وہ رستم جی کے ساتھ گھر واپس جا رہی ہے۔ لیکن فوراً یاد آیا کہ رستم جی کو جہر مرہہ پالایا گیا۔ پھر وہ کہاں جا رہی ہے اور موٹر میں اُسکے ساتھ کون بیٹھا ہے۔ موٹر ایک چوراسے سے گزری اور برقی روشنی موٹر میں آئی تو بندہ کو اپنے پاس باکر چوکی اور موٹر سے کودنے کی کوشش کی بندہ نے مکرکڑا کر بٹھا دیا اور کہا:-

”پریشان کیوں ہوتی ہو، رستم جی کو غش آگیا تھا اور اب اچھے ہیں۔“
 ”تم جھوٹ کہتے ہو، تم بڑے ظالم اور بے رحم قاتل ہو تم نے ہی

میرے پیارے رستم کو مار ڈالا ہے۔ ہائے ہائے“
 یہ خیال کر کے کہ سڑک پر کوئی جا رہا ہوگا اور اُس کی آواز سنکر مدد کو پہنچے گا
 زور سے چیخنے لگی۔ بندہ نے ایک ہاتھ منہ پر رکھا اور سختی سے کہا
 ”تم رستم جی کی صرح مزا نہیں چاہتی ہو تو چپ رہو“
 اگرچہ بول نہیں سکتی تھی لیکن ہاتھ پاؤں چلانا اور بندہ کو نوچنا
 شروع کیا۔

بندہ نے اپنی جیب سے چھوٹی سی بچکاری جس میں بیہوشی کی دوا بھری
 ہوئی تھی نکالی اور کھلا آبائی کے بازو میں چھبھادی۔ کھلا آبائی نے اپنے آپ کو
 بندہ کی گرفت سے چھوڑانے کی بہت کوشش کی مگر بے بس تھی، ذرا دیر
 میں بیہوش ہو گئی۔

مزارِ ابگرا می بے چینی کے ساتھ بندہ کی آمکا انتظار کر رہا تھا آج رات
 کی کامیابی پر سب کچھ منحصر تھا اگر بندہ واما کامیاب رہا تو رستم جی کی رفاقت ملے
 لال کٹھور کی دولت سے محروم کر دے گی۔ بھوپال کی سند کی میعاد ختم ہو رہی تھی
 اور دیر کی گنجائش نہ تھی۔ کیا حن بن سلح سے برتری اور فوقیت کا جو دعوے
 تھا وہ غلط ثابت ہوگا؟ ہیرا آبائی سے شادی کرنے اور لال کٹھور کی دولت پر
 قبضہ کر کے اپنی آئندہ شاندار زندگی کی جو تصویر اُس کے ذہن میں تھی، حرف غلط
 کی طرح مٹ جائیگی؟ نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ اُس کا انتظام مکمل تھا اور ہر
 ایک بات کا پہلے سے خیال کر لیا گیا تھا۔ شین کے سب پرزے اپنی جگہ پر
 کام کر رہے تھے اور ناکامی کا احتمال بہت کم تھا۔ پھر بھی قسمت کو انسانی انتظامات

میں دخل تھا مگر بلکہ آئی اس کا قائل نہ تھا، اور تقدیر پر تدبیر کی فوقیت کو مطابق قانون قدرت سمجھتا تھا۔

اتنے میں موٹر برآمد کے سامنے رُکی اور بندہ اندر آیا۔ اور دوزانو ہو کر اپنے پیرو مشد کے ہاتھ چومنے لگا اور جوش میں آ کر بولا۔

”یا حضرت آپ کے حکم کی تعمیل ہو گئی۔ رستم جی مر گیا!“

مرزا بلکہ آئی نے اپنے مُردہ کو شاباشی دی اور کہا،

”بندو آج تم نے اپنی کارگزاری سے مجھے بہت خوش کیا۔ میں

تمہارے لئے دعا کروں گا، اب تمہاری عاقبت درست ہو جائیگی“

”یا حضرت! عاقبت کی خبر خدا کو ہے۔ یہ بتائیے ہیرا بائی کے ساتھ میری

شادی کب ہوگی؟ اور میرے حصہ کی دولت کب ملے گی۔ پولیس والے اور خدائی فوجدار

میری فکر میں ہیں۔ جلدی کیجئے“

بندو کے تصور دیکھ کر مرزا متفکر ہوا مگر حکمت عملی سے کام لینے کا وقت

تھا،

”بندو! اطمینان رکھو، تمہاری خوشحالی کا زمانہ قریب ہے۔ ہر کام اپنے

وقت پر ہوتا ہے۔ اس وقت تمہیں کسی محفوظ جگہ چھپانا ضروری ہے۔ پولیس

تمہاری تلاش میں کوئی دم میں آیا چاہتی ہے۔ اور کملابائی کہاں ہو؟

”موٹر میں بیوشی پڑی ہو۔ معلوم ہوتا ہے اندھیرے میں بیوشی کی دوا

بن میں زیادہ ہو چکی“

بندو نے کملابائی کو گود میں اٹھایا۔

مرزا نے موٹر کو احاطہ کے باہر بھجا اور پھاٹک بند کر کے مکلا کو ہتھ خانہ میں لیگے
 ہیرا بانی آہٹ پا کر بستر سے اٹھ بیٹھی اور ایسے ناوقت مرزا بلگرامی اور بندو کو کمرہ میں
 دیکھ کر سم گئی۔ مرزا بلگرامی نے مکلا کو خالی بستر پر لیٹا دیا اور کہا
 ”ہیرا بانی صاحب! مجھے انوس ہے کہ آپ کی نیند میں خلل پڑا۔ مکلا بانی تماشہ
 دیکھنے تھیں گئی تھی، اداسی کے دنت دورہ پڑا اور بے ہوش ہو گئی تھوڑی دیر
 میں ہوش آجائیگا!“

ہیرا بانی خاموش رہی اس نے دیکھا کہ بندو مرزا کے پیچھے کھڑا ہوا اسے
 لچائی نظروں سے گھور رہا ہے۔ مرزا بلگرامی اور بندو زینہ چڑھ کر اوپر گئے اور
 ہتھ خانہ کا پٹ بند ہو گیا۔

ہیرا بانی بستر سے اٹھی، تسلیہ میں پانی بھر کر لائی۔ منہ پر چھینٹے دیے پھر
 تولیہ بھگو کر پیشانی اور سر پر رکھا، تھوڑی دیر بعد مکلا بانی نے آنکھیں کھولیں
 اور ہیرا بانی کی طرف دیکھ کر زور سے چیخی اور منہ پر ہاتھ رکھ لئے۔

”مجھے نہ مارو، سانپ وہ آرہا ہے!“
 ہیرا بانی نے منہ کھول کر حلق میں پانی ڈالا اور گلے لٹکا کر کہا۔
 ”ڈرو نہیں! میں ہوں ہیرا بانی!“

مکلا نے پھر آنکھیں کھولیں۔ ہیرا بانی کو پہچانا، اور زار و قطار رونا
 شروع کیا جب کسی قدر طبیعت سنبھلی، ہیرا بانی نے ہمدردی سے کہا
 ”اچھی مکلا، پریشان نہ ہو اخیر تو ہے، کیا ہوا؟“

”غضب ہوا، میں برباد ہو گئی، مرزا کے سانپ نے میرے رستم

کو ڈس لیا، ہائے... ہائے“
 ”کملّا، طبیعت کو سنبھالو، بتاؤ تو سہی کیا ہوا؟“
 کملّا نے تھپڑ کا واقعہ بیان کیا۔

”ہائے میرے رستم کو، بندہ نے مار ڈالا، مجھے بھی زندہ نہ چھوڑیگا۔
 کاش خدائی فوجدار اُسے پکڑ لیتے“

”کیا خدائی فوجدار تھپڑ میں تھے اور انھیں یہ سب حال معلوم ہو؟“
 ”ہاں، ہرّام، مستود اور ایک اور آدمی، سب وہاں تھے۔ لیکن
 میرے رستم کو نہ بچا سکے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ بڑھے سیکھ کے بھیس میں بندہ
 ہمارے پیچھے بیٹھا ہے۔ میں تماشہ دیکھنے میں ایسی محو تھی کہ بندہ اپنا دار
 کر گیا“

کملّا گھبراؤ نہیں، خدائی فوجدار ضرور بندہ کو ڈھونڈ نکالیں گے اور
 سزا دیں گے۔“

میرا بانی کو یقین تھا کہ مستود ضرور تپہ لگا لے گا اور اُسے تہ خانہ کی قید سے
 آزاد کرے گا۔ لیکن پھر مرزا کی باتوں کا خیال آیا اور کانپنے لگی۔
 اتنے میں کسی کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی، کملّا نے بھی سنا اور کہا۔

”خدا خیر کرے، بندہ آ رہا ہے!“

میرا بانی نے فکر دیکھا، دروازہ آہستہ سے کھلا اور بندہ وہیں بندھا ہوا
 ایک نیلا کوٹ پہنے آگے بڑھا۔ اُسکی آنکھوں سے شکاری جانوروں کی ایسی
 خوشخبری اور بے رحمی چمک رہی تھی۔ اُسکے تیور دیکھ کر دونوں لڑکیاں سہم گئیں

ہیرا بانی کی طرٹ بڑھا۔

”بانی جی، جلد تیار ہو جاؤ اور میرے ساتھ چلو۔ رستم جی جو تمہارے ساتھ شادی کر کے لال کٹھن کی دولت پر قابض ہونا چاہتا تھا بڑے لمبے سفر کو چل دیا، اب میں تمہارے ساتھ شادی کروں گا، تو نہ اور بانی چکر رہیں گے جہاں بہت اچھے تھیںٹر ہیں اور روز تھیںٹر جایا کریں گے“

ہیرا بانی نے اپنی بے بسی پر خیال کر کے دلیس دعا مانگی۔

”اے خدا، اپنی رحمت سے کسی کو بھیج کر مجھے ان ظالموں کی قید سے آزاد کر یا موت دے“

اُسے یقین تھا کہ بہرام یا مستو داس کی زادی کی فکر سے غافل نہ ہونگے مرزا بلگرامی کے ساتھ شادی کا خیال کیا کم جاں سون تھا کہ یہ قاتل اور بے تیززادی اُسکے ساتھ شادی کی آرزو کرنے لگا۔ اگر اس کمینہ اور خوشخوار آدمی کی دسترس سے بچتی ہے تو صبح کو مرزا بلگرامی سے سابقہ ہوگا۔ سخت پریشانی تھی بندہ کو اپنی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر کہا۔

”خبردار جو تم آگے بڑھے، میں بہت غریب لڑکی ہوں میرے پاس کوئی دولت نہیں ہے، تم مرزا بلگرامی کے دھوکہ میں آ گئے ہو، اُس نے تمہیں میری دولت مند کی کاسنرباغ دکھا کر تمہارے ہاتھ سے رستم جی کو قتل کرایا۔ اور میں اندازہ کرتی ہوں کہ مرزا ایسا تو تمہیں مار ڈالے گا۔ یا جیل میں بھجوا دیگا۔ اپنی جان کی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔ پولیس اور خدائی فوجدار تمہاری تلاش میں ہیں، تم گرفتار ہو گے تو رستم جی کے قتل کے جرم میں سولی پر لٹکا دئے جاؤ گے“

اگر تمہارے دل میں ذرا بھی رحم ہے تو میری مدد کرو۔ خدائی فوجداروں سے جن کا سردار بہرام ہے میرے قید ہونے کی جگہ کی اطلاع کر دو۔ بہرام چاہیگا تو تمہیں پولیس کی گرفت سے بچالے گا۔“

مگر بندہ انسان نہیں تھا جس کا دل ایک بے بس لڑکی کی فریاد سے نرم پڑتا، وہ اپنی کامیابی پر مست تھا اور اس لڑکی سے شادی کرنے اور دو تلمذ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ہیرا بانی کو لچائی نظروں سے اس طرح دیکھ رہا تھا جس طرح بلی چوسہ کو اپنی گرفت میں پا کر خوش ہوتی ہے۔

”تم دو تلمذ نہیں غریب سی۔ تمہاری خوبصورتی کوئی معمولی دولت نہیں۔ سردست مجھے یہی کافی ہے۔ پولیس اور بہرام کا خوف مجھے نہیں ہے اور نہ وہ تمہیں میرے قصبہ سے چھوڑا سکتے ہیں۔ چلو وقت کم ہے۔ موٹر تیار ہے۔“

غریب ہیرا بانی کی مایوسی کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ اس خونخوار جانور کے چنگل سے رہائی مشکل نظر آتی تھی۔ بندہ کو اپنی طرف ہاتھ بڑھاتے دیکھ کر مکلا بانی کے پیچھے ہو گئی اور ساری جان سے کانپنے لگی۔ یکایک مکلا بانی نے جست کی اور بندہ کو چمٹ گئی۔

”ہیرا بانی دروازہ کھلا ہوا ہے، بھاگ جاؤ۔ اس کجبت نے میرے رستم کو مار ڈالا ہے مجھے بھی مار ڈالے گا تو غم نہیں۔ میں رستم کے پاس پہنچ جاؤں گی۔“

مکلا بانی کی بساط ہنسیا تھی، ہیرا بانی دروازہ کی طرف جا رہی تھی

بندو نے کلا کا گلا دیا، اُسکی آنکھیں نکلی پڑتی تھیں اور نیم جان ہو گئی۔ بندو نے اُسے پلنگ پر بھینکا جہاں وہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔ بندو نے ہیرا بابی کا ہاتھ پکڑا دوسرا ہاتھ ٹھڈی پر رکھ کر اس کے منہ کو اوپر اٹھایا۔ ہیرا بابی پر وہی عالم طاری تھا جو جنگل کی ہرنی پر از دہا کے منہ پر ہونچکر ہوتا ہے، آنکھیں کھلی تھیں مگر کچھ دکھائی نہ دیتا تھا، بچس و حرکت کھڑی تھی۔ بندو نے اُسے اپنی طرف کھینچا اور قریب تھا کہ اپنا گندہ منہ اُس کے رخسار پر رکھے کہ آواز آئی۔

”بندو خبردار!“

بندو ایسا بدست اور محو ہو رہا تھا کہ اُسے مرزا بگلرامی کے آنے کی آہٹ بھی محسوس نہ ہوئی، آواز سن کر چونکا اور ہیرا بابی کو چھوڑ کر مرزا کی طرف رُخ کیا۔ مرزا بگلرامی دو قدم کے فاصلہ پر ایک ہاتھ میں پستول لے لے اور منہ میں سنگرٹ کی منال دبا لے اٹھتا اور خنہنا کی کا پتلا بنا کھڑا تھا۔ بندو نے خطہ کو اس قدر قریب دیکھ کر مرزا کی طرف جست کی مرزا نے داد بچایا اُسی کے ساتھ مرزا کی منال سے زہر کی گولی نکلی اور بندو کی گردن پر لگی، وہ آن واد میں زمین پر مردہ ہو کر گر پڑا۔

ہیرا بابی نے اس نائیڈ غیبی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ مگر اُس کی منال اُس گولر کی سی تھی جو درخت سے گر کر بول میں ٹک جاتا ہے۔ پھر بھی یہ کیا کم تھا کہ بندو جیسے وحشی سے اسکی گلو خلاصی ہوئی۔

مرزا نے پستول کو بیچے کیا۔

”بابائی صاحب! مجھے انوس ہے کہ اس ناپاک سندھی نے آپ کے ساتھ

ایسا بڑا کوکیا۔ تھاری قید کا زمانہ ختم ہوا اور آزادی اور خوشحالی کا دمت اُگیا۔ آؤ میرے ساتھ باہر چلو۔ صبح ہوا چاہتی ہے۔ دیر کی گنجائش نہیں ہوڑ تیار ہے چند گھنٹوں میں اگر وہ پہنچ جائیں گے جہاں نکاح کا سب انتظام ہو چکا ہے۔ قاضی اور گواہ کسی معمولی جگہ نہیں بلکہ آج محل کے باغ میں موجود ملیں گے۔ شاہ جہاں اور ممتاز محل کی پاک رو جس ہائے گرد ہوں گی اور چند منٹ میں نکاح کی رسم ادا ہوگی۔ تم بلگرامی بیگم بنکر میرے ساتھ ہوائی جہاز میں بیچ کر بھوپال چلو گی، وہاں تھاری آمد کا انتظار ہے اور تمہارے والد کی سند کی تجدید تمہارے نام پر ہو جائیگی اور ہم لال کٹھور کی بے اندازہ دولت پر قابض ہو جائیں گے۔ اور جس شاندار زندگی کا میں شروع رات میں ذکر کر چکا ہوں اُس کا آغاز ہوگا۔

تم سمجھدار اور تعلیم یافتہ لڑکی ہو، مجھے یقین ہے کہ بے چون و چرا میری تجویز پر عمل کرو گی اور میری نیز اپنی آئندہ زندگی کو کامیاب اور خوشحال بناؤ گی۔ خیال کرو وہ دن کیسا شاندار ہوگا جب ہم اس نایاب خزانہ کو پاکر بحیثیت وفادار جاگیردار کے اپنی شکر گذاری کے اظہار کے لئے دائی بھوپال کی دعوت کریں گے۔ بھوپال کا مشہور تال بجلی کی قمقموں سے بالکل اسی طرح چمکیگا جس طرح تاروں بھرا آسان۔

زنگ بزرگ کی روشنیوں سے منور کشتیاں تالاب میں دوڑتی ہوئی ہماؤں کو لائیں گی۔ بنیڈ بنگے گا۔ آتش بازی چھوڑی جائے گی، ملک کے بہترین مہنتی "خوش آمدید" کے راگ گائیں گے۔ رزق برقی دریاں پینے ہاتھوں میں ہونے اور چاندی کے عصا لئے ہوئے چوہدار، "سلام پر نگاہ" کے نعرہ بلند کریں گے، شاہی خاندان کے اراکین، اعلیٰ عہدہ دار، اور غالباً ان کی بیلیات بھی،

کیونکہ اب وہاں پردہ کی دقیانوسی رسم ترک ہو گئی ہے، دعوت میں شریک ہوں گی۔ تمہارا قیمتی لباس، اور ہیرے جواہرات کے زیور اور سب کے زیادہ تمہارا خوبصورت چہرہ برقی روشنی میں چمکتا ہوگا اور تم لال کٹھور کی مالکہ ہونے کی وجہ سے سب نظروں کی مرکز ہو گی۔

مرزا بلگرامی نے اپنی پرورش تقریر ختم کی۔ کوئی معمولی عورت ہوتی تو اس خوش آئند اور دل فریب نظارہ کا خیال کر کے مسحور ہو جاتی۔ مگر ہیرا بابی پر کچھ اثر نہ ہوا اور بڑی تمکنت کے ساتھ بولی

”مرزا صاحب! سنبہر باغ تمہیں مبارک۔ تم شوق سے لال کٹھور پر اگر واقعی کوئی خزانہ ہے قبضہ کر دو اور جشن مناؤ، مگر میں ہرگز تم سے شادی نہ کروں گی۔ غربت اور افلاس کو اس شان دار زندگی پر جسکا نقشہ ابھی تم نے کھینچا ہے ہمیشہ ترجیح دوں گی، تم ظالم ہو قاتل ہو، ابھی ایک قتل میری نگاہ کے سامنے کیا ہے۔ رات کو تمہارے حکم سے رستم جی قتل کیا گیا۔ اور معلوم نہیں اس سے پہلے کتنے قتل اور جرائم کے مرتکب ہو چکے ہو۔ خدا تمہیں جلد تمہارے جرائم کی سزا دیگا اور مجھے تمہاری قید سے آزاد کرے گا۔“

بلگرامی کا جڑا سخت ہوا، آنکھیں غصہ سے چمکنے لگیں، بےستول ادب چاکیا آگے بڑھا اور نال کو ہیرا بابی کی بیانی کے قریب لاکر گر جا۔

”آگے بڑھو، اپنا کوٹ پہنو اور باہر چلو۔“

کوٹ پہنکر ہیرا بابی آگے بڑھی، پیچھے مرزا ہاتھ میں پستول

لے چلا۔

”تم نے بھاگنے کی کوشش کی یا ایک لفظ منہ سے نکالا تو تمہارا خاتمہ ہے“

ہیرا بانی ایک قتل ابھی دیکھ چکی تھی۔ سولے اسکے چارہ نہ تھا کہ اسکے حکم کی تعمیل کی جائے۔ مگر دلیس دعا مانگتی تھی اور بار بار مستعد کو یاد کرتی تھی۔ کیا وہ اسکی مدد کو نہ پہونچیکا؟

زمینہ چڑھ کر مرزا نے چاروں طرف نظر ڈالی، ہر طرف سناٹا اور خاموشی پائی ابھی رات باقی تھی۔ اور کمرہ کا گھٹا ٹوپ چھایا ہوا تھا۔ جب اطمینان ہو گیا کہ آس پاس کوئی نہیں ہے، ہیرا بانی کا ہاتھ کیڑا اپنے مکان کی طرف نہیں بلکہ دوسری جانب احاطہ کی دیوار کی قریب گیا۔ یہاں درختوں میں چھپی ہوئی ایک گھر کی تھی اسکے قریب پہونچ کر سیٹی بجائی۔ باہر سے جواب میں سیٹی کی آواز آئی۔ جیب سے کنجی نکال کر گھر کی کا قفل کھولا اور ہیرا بانی کو ساتھ لے کر باہر پہونچا۔ ایک بڑی موٹر موجود تھی۔ شو فریٹ کھولے حاضر تھا۔ مرزا نے ہیرا بانی کو سوار کیا اور خود اسکے برابر بیٹھ گیا۔

”ابھی روشنی نہ کرو اور جب قدر تیز ہو سکے آگرہ کی سڑک پر چلو“

شو فر بجاری لمبا کوٹ اور سربراہی کنٹوپ پہنے جنہیں سے صرف آنکھیں اور چہرہ کا ذرا ساحتہ کھلا ہوا تھا۔ مگر وہ بھی رات کے اندھیرے اور کمرے کے دھندلے میں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ حکم کو ادب کے ساتھ سنا اور پٹ بند کر کے اپنی سیٹ پر بیٹھا اور موٹر تیزی کے ساتھ لیگیا۔

بات

ہیرا بابی کا خواب

ہیرا بابی نے انگریزی نالوں میں اس قسم کے افسانے پڑھے تھے، اور اپنی ناتجربہ کاری سے سمجھا کرتی تھی کہ محض لوگوں کا دل بہلانے اور روسیہ کمانے کی غرض سے ذہین ناول نویس ایسے حیرت انگیز اور ہولناک مناظر اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں جن کا وجود سوائے اُن کے دماغ کے اور کہیں نہیں ہوتا۔ لیکن گذشتہ چند دنوں میں یہ واقعات تاربط توڑ خود اُسے پیش آئے تو آنکھیں کھلیں اور اُسے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں جہاں بظاہر سکون اور راحت کے اس قدر سامان ہیں، کیسے مظالم اور جرائم ہوتے ہیں۔ بعض لوگ جو مرزا بگرامی کی طرح عوام میں مقدس اور پارسانہ سمجھے جاتے ہیں، حد درجہ کے ظالم اور دغا باز ہوتے ہیں۔ اُن کے نزدیک انسان کو اپنی مطلب برآری کیلئے قتل کرتے وقت اتنا بھی تامل نہیں ہوتا جتنا مکھی یا چوہی کو مارتے وقت کرتے ہیں۔

اپنی بے بسی پر دل بٹھایا جاتا تھا۔ نہ باپ نہ بھائی نہ کوئی اور عزیز مرد جو اس کی تلاش میں نکلتا۔ اور اس کی مدد کرتا۔ صرف ایک پھوپھی تھی جو اُسکی حالت سے بخیر تھی اور اُس کی جدائی پر ہنر آسنو بہاتی ہو گی۔ زمانہ موجودہ

کی آزاد خیالی کے بموجب شادی کو مرد کی غلامی اور عورت کی تحقیر کے مترادف سمجھا کرتی تھی، لیکن اب اُسے اپنی نادانی پر سخت افسوس تھا اور جبے مسعود کو دیکھا تھا اُسکے دل میں عجیب قسم کا ہيجان پایا جاتا تھا اور شادی کے متعلق اُس کے خیالات میں تبدیلی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے مسعود سے سوال کیا تھا کہ اُسکی شادی ہو چکی ہے یا نہیں۔ مگر اُس نے ہنس کر ٹال دیا تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ مسعود کی شادی ہو چکی ہے یا نہیں۔ مسعود کو اُسکی دلی کیفیت کی کچھ خبر نہیں تھی اور ایک غریب لڑکی کے ساتھ شادی کرنا اُسے کب پسند ہو گا، مسعود کے دل میں اُسے دیکھ کر ویسے ہی خیالات موجزن ہوتے جو خود اُسکے دل میں تھے، اتنا اب تک وہ مرزا کی قید سے آزاد ہو گئی ہوتی اور فوراً اُسکے ساتھ شادی کر لیتی تاکہ اس عبرت ناک دنیا میں وہ تنہا اور بے یار مددگار نہ رہے۔

مرزا بلگرامی کو اپنے پاس بیٹھے دیکھ کر خطرہ کا احساس کیا اور رونے لگی۔ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی، دل میں مایوسی کا جہوم تھا۔ موٹر تیزی سے جا رہی تھی، ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں سے غنودگی آگئی اور حالت خواب میں اُس نے اپنے آپ کو تاج محل آگرہ کے بلوغ میں یا جہاں ایک لمبی داڑھی والا مولوی اُسے مرزا بلگرامی کی قید نکاح میں لانے کے لئے موجود تھا۔ جبل مدیغنی کا خدا کے انصاف اور رحم سے اُسے یقین تھا، کہیں نظر نہ آئی اور اُس نے آزادی کے لئے آخری کوشش کی۔ اُس ہرنی کی طرح جو سکاری سے بچنے کے لئے چوڑیاں بھرتی ہے، تیزی کے ساتھ بھاگی اور تاج محل کے اونچے

مینار پر چڑھ گئی۔ مرزا اُس کے پیچھے تھا، مینار کی چوٹی پر چڑھ کر اُس نے ایک
 نقطہ قیام کیا اور صبح کے دلفریب منظر پر جو تاج کے میناروں سے
 دکھائی دیتا ہے، حسرت کی نظر ڈالی۔ مرزا بلگرامی کو اپنی طرف ہاتھ بڑھاتے
 دیکھ کر آنکھیں بند کیں اور مینار سے کود پڑی تاکہ مرزا بلگرامی کا ناپاک ہاتھ اُسے
 نہ چھو سکے۔ اور نیچے پتھروں پر گر کر مر جائے اور اس المناک زندگی کا خاتمہ
 ہو۔ مگر بجائے پتھر پر گرنے اور پاش پاش ہو جانے کے اُس نے اپنے آپ کو
 کسی مرد کے مضبوط ہاتھوں پر پایا۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو مستعد تھا۔

باب انجنام

یعن اُس وقت موٹر کی اور اُس تہیت ناک خواب سے بیدار ہوئی۔ شو فر نے موٹر کا دروازہ کھولا۔ مرزا جو ہیرا بائی کے ساتھ شادی اور لال کٹھور کی دولت پر قبضہ کرنے اور شاید بھتہ پال کے جشن کا خواب دیکھ رہا تھا، چونکا اور کرطک کے بولا۔

”بغیر حکم موٹر کیوں روکی؟ کیا کچھ بگڑ گیا ہے؟“
 ”بگڑا کچھ نہیں، نماز کا وقت ہو گیا۔ کیا آپ آخری مرتبہ نماز نہ پڑھینگے؟“
 لباس مرزا کے شو فر کا تھا مگر آواز دوسری تھی، مستود کی آواز کو فوراً ہیرا بائی نے پہچان لیا۔ مرزا کے ہاتھ میں ہتھول تھا فیر کے لئے ہاتھ اٹھایا البلی دبی مگر اسی کے ساتھ ہیرا بائی نے زور سے اُسکے ہاتھ کو اوپر کی طرف جھٹک دیا۔ گولی بجائے شو فر کے سینے کے موٹر کی چھت میں لگی۔ دوسرے لمحہ میں مستود کا ہاتھ مرزا کی گردن پر تھا اور ہتھول ہیرا بائی کے ہاتھ میں۔ مرزا ابکرامی بے بس تھا، شو فر کی اٹھیلیاں خداد کی کیلوں کی طرح اُسکی گردن میں لکھی جاتی تھیں، ہاتھ پاؤں اپنا کام کرنے سے عاجز تھے۔ بولنا جاتا تھا مگر مجبور تھا، ہیرا بائی نے خیال کیا کہ کوئی دم میں حنرا کا خاتمہ ہوا چاہتا ہے۔ مگر مستود نے مرزا کو موٹر کے نیچے اس طرح پھینک دیا جس طرح تلی نیم مرہ جو ہے کو۔

جیب سے تسلی کا گولہ نکال کر مرزا کے ہاتھ نشیت پر باندھے۔ اور کہا۔
 ”مرزا صاحب، مجھے آپ کے معاملات میں دخل دینے کا انوس ہے،
 مگر اسکے ذمہ دار خود آپ ہیں، ہمارے سرور بہرام نے آپ کو متنبہ کر دیا تھا کہ
 ہیرا بابی سے تعرض نہ کرو۔ مگر لال کھڑور پر قبضہ کرنے اور دولت مند بننے کا
 جنون تم پر سوار تھا۔ تم موجودہ زمانہ کے حسن بن سراج ہونا چاہتے تھے، ہندو
 مسلمانوں کو تم نے آپس میں لڑایا۔ پیری مریدی کے گورکھ ہندو سے ہزار بار
 آدمیوں کو گمراہ کیا۔ مدتوں پولیس کی آنکھ میں خاک جھونکی۔ قتل و قتل کئے
 اور خلقت کو لوٹا۔ ایسی حالت میں تم بہرام کی قوت اور برتری کو کب خیال میں
 لاسکتے تھے۔ اب تمہارا آخری وقت آگیا۔ دنیا تمہارے ناپاک وجود سے
 پاک ہو جائیگی، بتاؤ کیسی موت تمہیں پسند ہے؟ یہ بالکل آسان ہے کہ تمہیں
 سڑک پر ڈالکر اوپر سے موٹر گزار دی جائے۔ لوگ خیال کریں گے کہ کوئی حادثہ
 پیش آیا۔ لیکن تم جیسے آدمی کا جو اپنے زعم میں حسن بن سراج کو ٹٹل دیتا سمجھتا
 ہے، ایسی عام موت مرزا کیا پسند ہوگا۔ سامنے دریا کا پل ہے، ٹھنڈی موت
 پسند ہو تو تمہیں پل سے نیچے پھینک دیا جائے، گھڑیاں منہ کھولے تمہارا اخیر مقدم
 کریں گے اور تمہاری بوٹیاں نوچ کر کھا جائیں گے۔ مگر یہ موت بھی عامیانا ہو،
 نرم خلقت کو یہ یقین کرانا کب گوارہ کر سکتے ہو کہ ایسے مقدس اور مذہبی آدمی نے
 خود کشی کر کے اپنی عاقبت خراب کی؟“

مرزا مسعود کو غصہ اور تحارت کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اس نوجوان آدمی کے
 ہاتھ میں بے بس پاکر حکمت عملی کو مناسب خیال کیا اور کہا۔

”میاں مستود، تم بڑے دھوکہ میں ہو۔ یہ سچ ہے کہ میں تمہارے سردار بہرام کو اس زمانہ کا سب سے بڑا قزاق اور مجرم سمجھتا ہوں، جب سے تم اُس کے رفیق بنے، مجھے تعجب تھا کہ تم جیسا شریف خاندان اور ہونہار نوجوان ایسے آدمی کی صحبت میں رہے۔ مجھے تم سے باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا، کہ تمہیں آگاہ کرتا۔ بہرام تمہیں اپنی شطرنج کی لباٹ پر ایک پیادہ کی حیثیت سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ خود پس پشت رہتا ہے اور تمہیں خطرہ میں ڈالتا ہے۔ وہ خود ہتھیار لابی پر قبضہ کر کے لال کھٹور کا مالک بننا چاہتا ہے، میری موجودگی میں اُسے کامیابی مشکل نظر آتی تھی، تم نے مجھے مارا ڈالا تو اُس کے لئے سیدان صاف ہے، تم بھی جلد مارے جاؤ گے اور بہرام لال کھٹور کا مالک بن جائیگا۔ سنو اور غور سے سنو، اب بھی وقت ہے۔ بہرام کا مقابلہ اس ملک میں سوائے میرے کوئی نہیں کر سکتا۔ تم میرے شریک ہو جاؤ۔ خیال کرو میرا تجربہ اور تمہاری بہادری اور محنت لکر کتنی بڑی قوت ہو سکتی ہے، اور جس وقت لال کھٹور کی دولت ہمارے قبضہ میں ہوگی ہم ہندوستان کی آیندہ تاریخ کا ورق اپنی مرضی کے موافق لکھ سکیں گے۔ میرا بڑا چاہا ہے اور تم کچھ دن بعد میرے جانشین بنو گے جن بن ساج کے جانشینوں نے دنیا میں کیا کچھ نہیں کیا۔ مالک فتح کئے، سلاطین کے تخت اُٹے، رعبا سیہ خاندان کو تہ خاک کیا اور آج بھی اُسکے پیرو نہ صرف ہندوستان میں بلکہ تمام دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ آج کل اسلامی دنیا میں بڑا خلفشار ہے، خلافت کا خاتمہ ہوا اور مسلمان اُنے والے مہدی اور مہر کا انتظار کر رہے ہیں۔ کیا تم اس بڑے کام میں میرے ساتھ شرکت نہ کرو گے۔ سب انتظام مکمل ہے۔“

لال کھٹور پر قبضہ کرنے کی دیر ہے میرے ساتھ آگرہ چلو جہاں ہوائی جہاز تیار ملے گا۔ شام تک جھوپال پہنچ جائیں گے اور لال کھٹور کی سندس رکاوٹوں سے کل نہیں بچا سکیں گے۔“

میرا بانی موڑے اتر کر مستود کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی افق مشرق سے سورج نکلنے والا تھا، ہلکی نہری روشنی میں مستود کا خوبصورت چہرہ اُسکے دل میں عجیب قسم کی انگلیں پیدا کر رہا تھا۔ وہ اُسے بہادری کا پتلا اور ہمت کا فرشتہ خیال کر رہی تھی جنہ اُسے مرزا کی قید سے آزاد کیا۔ اس وقت وہ گذشتہ ہفتہ کی سب کلفتیں بھول گئی تھی۔ اور بتیاب تھی کہ جس قدر جلد ہو سکے تنہائی کا موقع ملے تاکہ وہ اپنی دلی کیفیت کا اظہار مستود پر کر دیے۔ مرزا کی تقریر کو اُس نے غور سے سنا اور ایک لمحہ کیلئے بھی حیا نہ کیا کہ مستود اُسے سچ سمجھ گیا اور اُسکے دام تدویر میں آ جا ئیگا۔ آگے بڑھی اور مستود کے شانہ پر ہاتھ رکھا اور کہا۔

”ان حضرت سے یہ تو پوچھ لے کہ آگرہ میں تاحی اور گواہ کا انتظام کیوں کیا گیا ہے“

اس کا سُنا تھا کہ مستود کو غصہ آیا۔ مرزا کو زمین سے اُٹھایا۔ پاس کے درخت سے بانہا، اپنی جیب سے پستول نکالا۔

”بانی صاحب اس ہکار اور ظالم آدمی نے آپ کو بہت اذیت دی یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ آپ کو قید نکاح میں لا کر آپ کی زندگی خراب کرنا چاہتا تھا۔ اس کی سزا یہی ہے کہ آپ خود اس پستول سے اس کی مجرمانہ زندگی

کا خاتمہ کیوں

ہیرا بانی نے ہاتھ میں پستول لیا اور مرزا کے سینہ پر نشانہ لیا۔

”مرزا صاحب! مجھے آپ کے ساتھ ہمدردی ہے۔ وہ لڑکی جسے آپ بلگرامی بیگم بنا کر بھوپال لیجانا اور لال کٹھور پر قبضہ کر کے جشن منانا چاہتے تھے، آج آپ کو دنیا کے علائق سے آزاد کرتی ہے اور آپ کی مجرمانہ زندگی کا خاتمہ کرنا چاہتی ہے۔“

مستعد موٹر کے پاس گیا اور بونٹ اٹھا کر انجن کے پُرنروں اور تیل وغیرہ کو دیکھنے لگا کہ اس جلیے سفر کیلئے سب چیز ٹھیک ہی پائیں۔
مرزا بلگرامی نے محسوس کیا کہ اب آخری وقت آگیا ہے، اور مستعد کو وہاں سے علیحدہ پا کر اپنی عیاری کے ترکش سے آخری تیر نکالا اور اس امید پر کہ یہ ناخبرہ کار اور نرم دل لڑکی اُس کے فریب میں آجائے، بڑی سفیدگی سے کہا۔

”ہیرا بانی! تم بڑے دھوکے میں ہو اب ناک میں نے تمہیں بہرام اور اُسکے دوستوں کی دسترس سے محفوظ رکھا۔ مجھے تعجب ہے کہ بجائے شکر گزار ہونے کے تم مجھے گولی مار کر ایک بڑے گناہ کی ترکیب ہوتی ہو۔ تم ناخبرہ کار ہو اور ان قزاقوں کی چو اپنے آپ کو خدائی فوجدار کہتے ہیں اور جن کا سردار ملک کا مشہور حرام پیشہ بہرام ہے، ماہیت سے ناواقف ہو۔ وہ تمہارے ذریعے سے لال کٹھور پر قبضہ کر کے اپنے ارادوں میں کامیاب ہونگے اور تمہیں یا تو مار ڈالیں گے یا ہمیشہ کے لئے باندی اور لونڈیوں کی طرح اپنی خدمت میں رکھیں گے۔ تم میرا

ہاتھ نہ جھٹکتیں تو مستود ختم ہو گیا ہوتا اب بھی موقع ہے تمہیں اپنی جان اور ناموس عزیز ہے تو اپنے لیٹول کا رخ مستود کی طرف کرو اور بلبلی و بادو۔ اسکا خاتمہ ہو جائیگا اور میں تم سے کچھ تعرض نہ کروں گا اور تم لال کھوڑ پر قبضہ کر کے ملک کی بڑی دولت مند عورت بن جاؤ گی۔ مستود اس طرف آتا ہے جلدی کرو، ایسا موقع پھر کبھی نہ ملے گا۔“

مستود ہیرا بانی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ہیرا بانی نے اُس کے خوبصورت چہرہ کو دیکھا اور دل میں جوش پیدا ہوا۔ اپنا بایاں ہاتھ اٹھا کر مستود کے شانہ پر دکھا اور کہا۔

”اے نکار مرزا تو موت کے وقت بھی اپنی عیاری سے باز نہیں آتا ہے اور مجھے صلاح دیتا ہے کہ میں اپنے ہاتھ سے اُس شخص کو ہلاک کروں جس نے مجھے تیرے سچے سے آزاد کیا اور جو مجھے دنیا میں سب سے عزیز ہے۔ اگر اس نے اجازت دی تو میں عمر بھر اسکی لونڈی ہونے کو اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔“

سورج جاڑے کی صبح کا رخ کھات ہٹا کر برآمد ہوا اور اُسکی شعا عین اُنکے خوبصورت چہروں پر پڑیں۔ ایک نے دوسرے کو محبت کی نظر سے دیکھا ہیرا بانی کا ہاتھ کھسک کر مستود کی طرف پڑا۔ مستود کے جسم میں کوئی چیز بجلی کی طرح کوکندی اور اسکے ہاتھ نے ہیرا بانی کے گرد حلقہ کر لیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔ بلکہ آبی نے اس عجیب نظارہ کو مایوسی کی نظر سے دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں مستود نے اپنے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کی اور کہا۔

”بیاری ہیرا۔ اس وقت جبکہ خدا نے ہمیں ایسا خوشحال کیا ہے، مناسب نہیں ہے کہ اپنے ہاتھوں کو اس ناپاک آدمی کے خون میں آلودہ کریں اور خلقت کو اس کی موت کے متعلق شک میں چھوڑیں۔ کوئی دم میں پولیس اسکی تلاش میں یہاں آئے گی اور درخت سے بندھا ہوا پائے گی، عدالت میں مقدمہ ہوگا، اس کی مکاری اور مظالم کی داستان طشت ازبام ہوگی اور یہ اس کا مستحق ہے کہ تمہارے نازک اور پاک ہاتھوں سے نہ مارا جائے بلکہ جلا و پچاسی کا حلقہ اسکی گردن میں ڈالے اور اس مکار اور اشتہاری صوفی کی ناپاک زندگی کا خاتمہ کر دے۔ آؤ بھوپال چلیں“

”مجھے آپ کے ساتھ اتفاق ہے“ کہکر سیپول مستود کے حوالہ کیا۔ دو تین قدم موڑ کر طرف چکر رکی، مرزا کی طرف رخ کیا اور شوخی سے کہا۔

”مرزا صاحب! خدا حافظ، جب ہم بھوپال پہنچکر جشن منائینگے اور فرماؤ گے ریاست کی دعوت کریں گے تو آپ وہاں ہونگے، انوسر!“

تَمَّتْ

اس کتاب کے جملہ حقوق محفوظ ہیں

